وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ اَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

اَلشِّهَابُ الْمُبِيْن

علی من

انکر الحق الثابت بالادلة والبراهين

تالیف: شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ

ما من رجل یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام (حدیث شریف)

بالجملہ انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست (فتاویٰ عزیزی ص ۸۸ ج ۱)

الشہاب المبین

علی من انکر

الحق الثابت بالادلۃ والبراھین

بحمد اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ اس کتاب میں رسالہ الشہاب الثاقب علیٰ من حرّف الاقوال والمذاہب کا نہایت ہی احسن اور سلجھے ہوئے انداز میں علمی اور تحقیقی طور پر جائزہ لیا گیا ہے اور صریح حوالوں سے مصنف الشہاب الثاقب کی غلطیاں اور علمی مغالطے اجاگر کر کے ان کا رد کیا گیا ہے حضرات علماء اور طلباء کو بفضلہ تعالیٰ اس میں کئی ٹھوس اور جدید علمی اور تحقیقی بحثیں نظر آئیں گی جن سے علمی مغالطے اور جہل مرکب کافور ہوگا۔ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ۔

(ابوالزاہد محمد سرفراز)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

شیخ الحدیث حضرت مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے ایک کتاب "سماع الموتیٰ" کے نام سے تحریر فرمائی۔ فریق ثانی کے بزرگ عالم دین، دارالعلوم دیوبند کے فاضل حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے شاگرد مولانا قاضی شمس الدین صاحب گوجرانوالہ نے اس کا جواب "الشہاب الثاقب علیٰ من حرّف الاقوال والمذاھب" کے نام سے تحریر فرمایا۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نے اس کا جواب "الشہاب المبین علیٰ من انکر الحق الثابت بالادلة والبراھین" کے نام سے تحریر کیا۔ ۲۳/اپریل ۱۹۸۳ء کو یہ جواب الجواب تحریر ہوا۔ اس مجموعے میں ہم اس کو شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض حال

الحمدللہ وکفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی امابعد!

فان اصدق الحدیث کتاب اللہ وخیر الهدی هدی محمد ﷺ وشر الامور محدثاتها وقال النبی ﷺ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ وقال ایضاً خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم وقال ایضاً سیکون فی امتی اختلاف وفرقة قوم یحسنون القیل الی قوله یدعون الی کتاب اللہ ولیسوا منه فی شیء (الحدیث)

کچھ عرصہ سے پاکستان میں مسئلہ سماع الموتی محل نزاع بنا ہوا ہے۔ایک طبقہ کلیۃً سماع کا انکار کرتا ہے۔حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کے عندالقبر سماع صلوٰۃ وسلام اور استشفاع عندالقبر کا بھی منکر ہے، بلکہ اس کارروائی کو شرک اور ایسا کرنے والے کو ابوجہل کا بڑا کہتا ہے۔ان میں سرفہرست سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی، سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی، مولانا سید احمد حسین شاہ صاحب سجاد بخاری اور مولوی احمد سعید صاحب ملتانی اور ان جیسے دیگر حضرات ہیں جب کہ اشاعت التوحید والسنۃ کے بعض حضرات عندالقبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کے قائل ہیں جن میں محترم جناب مولانا قاضی شمس الدین صاحب اور جناب مولانا قاضی محمد عصمت اللہ صاحب وغیرہ مدرس قسم کے بزرگ ہیں۔بعض حضرات اس سماع کو دلیلاً اور بعض تقلیداً مانتے ہیں اور عام اموات کے سماع کا سختی سے انکار کرتے ہیں اور یہ حضرات سماع کے قائلین کی تکفیر وغیرہ نہیں کرتے اور یہ حضرات قدرے معتدل ہیں۔اس کے برعکس پوری امت بشمولیت جملہ اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے عندالقبور سماع کو اتفاقی طور پر تسلیم کرتے ہیں اور بقول حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور عام اموات کے سماع اور عدم سماع کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تا ہنوز اختلافی مسئلہ تسلیم کرتے ہیں۔قائلین اور منکرین دونوں کو اہلسنت والجماعت ہی مانتے ہیں۔لیکن صریح عبارات اور ٹھوس حوالوں کے پیش نظر سماع کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں بفضلہ تعالیٰ راقم اثیم کی کتاب "سماع موتی" ملک کے کونے کونے میں پہنچ چکی ہے اور جید علماء کرام سے داد تحسین حاصل کر چکی ہے اور پاک وہند میں علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کے اس وقت کے چوٹی کے دو بزرگوں (حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا سید احمد رضا شاہ صاحب بجنوری دامت برکاتہم داماد حضرت رئیس المحدثین مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ) کی تصدیقات بھی شامل ہیں۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کتاب کا بہت ہی زیادہ فائدہ ہوا ہے۔جن حضرات کے پاس کتابیں نہیں یا ان کی طرف مراجعت کا وقت نہیں انہیں اثبات اور نفی کے یکجا صریح اور ٹھوس حوالے دستیاب ہو گئے اور مسئلہ کی حقیقت ان پر منکشف ہو گئی اور بعض غالی حضرات کی بھی آنکھیں کھل گئیں کہ ایسے اختلافی مسئلہ میں جس میں منکرین بھی دلائل سے لیس ہیں تکفیر وتفسیق نرا غلو اور تعصب ہے اور ان کو مشرک قرار دینا اکثر امت کو مشرک قرار دینے کے مترادف ہے اور یہ بات بھی ان سطحی

ذہنوں پر عیاں ہوگئی جو ادھوری توحید بیان کرتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے، مردے کچھ نہیں کر سکتے، مردے کچھ نہیں دے سکتے، مردوں کے اختیار میں نفع اور ضرر نہیں، وغیرہ وغیرہ کہ زندے بھی باوجود سننے کے کچھ نہیں کر سکتے نہ کسی کو مافوق الاسباب فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر۔ رزق، اولاد، عزت وذلت اور نفع وضرر وغیرہ صرف خدا تعالیٰ کے پاس اور اس کے اختیار میں ہے، کسی مردے اور زندہ کو خدائی کاموں میں رتی بھر کا اختیار بھی نہیں ہے۔

اور اس کتاب کے پڑھنے سے کئی غالی لوگ تائب ہوگئے ہیں جو یہ سمجھتے تھے کہ قبروں پر بزرگوں کو پکارنے اور ان سے مرادیں مانگنے سے بچ کچھ مل جاتا ہے۔ وہ اس کتاب کے صریح اور ٹھوس حوالوں سے بخوبی یہ سمجھ گئے ہیں کہ سن لینے کے بعد بھی کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ جیسے دنیا میں سبھی بزرگ سنتے تھے مگر کسی کو بھی کچھ نہیں دے سکے اور نہ خود اپنی تکالیف دور کر سکے ہیں۔ ہاں! اپنے اور دوسروں کے متعلق دعائیں کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں۔ بعض کے کام جو اس کی حکمت کے مطابق تھے کر دیئے بعض کے نہیں کئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا بیٹے (کنعان) کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا باپ (آزر) کے بارے میں قبول نہیں فرمائی اور سردار دو جہاں فخر کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر تین دعائیں مانگیں، دو اللہ تعالیٰ نے منظور فرمالیں اور تیسری نامنظور فرمائی (ایک یہ تھی کہ میری ساری امت قحط سالی میں مبتلاء ہو کر تباہ نہ ہوجائے اور دوسری یہ تھی کہ ساری امت غرق نہ ہوجائے اور دشمن اس کا استیصال نہ کر دے۔ یہ دونوں دعائیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیں اور تیسری یہ تھی کہ میری امت آپس میں نہ لڑے۔ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمائی۔

(محصلہ مسلم ج ۲ ص ۳۹۰، ترمذی ج ۲ ص ۴۰ وقال حدیث حسن صحیح وموارد الظمآن ص ۴۵۳)

اور مردوں سے مرادیں مانگنے والے اس کتاب کے ٹھوس مضامین سے بخوبی یہ سمجھ گئے کہ بات سننے اور اس کے نتیجے میں کچھ کر سکنے یا کروا سکنے میں بزرگوں کا قطعاً کوئی دخل نہیں اور نہ سننے اور کام کر دینے یا کروا دینے میں کوئی شرعی، عقلی اور عرفی تلازم ہے۔ جہاں اس کتاب سے بعض غالیوں اور متردد اور متذبذب لوگوں کی توقع سے کہیں بڑھ کر اصلاح ہوئی، وہاں اس کتاب کے ٹھوس اور صریح حوالوں اور واضح ترین عبارات نے منکرین سماع موتی پر قیامت برپا کر دی۔ کبھی ملتان میں اجتماع ہونے لگا اور کبھی رحیم یار خان میں، کبھی سرگودھا میں اور کبھی گجرات اور گوجرانوالہ وغیرہ میں اور اپنے حواریوں کو مطمئن کرنے کے لئے مختلف قسم کے حربے اختیار کئے گئے اور محترم سجاد صاحب کے ذریعے سے ایک مختصر سا رسالہ ''ارشاد الاصاغر الی مسلک الاکابر فی سماع اہل المقابر'' طبع کروایا گیا۔ جس میں بعض اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی مجمل عبارتوں کا سہارا لیا گیا اور بہت سے حضرات کے مبہم دستخطوں سے ایک فتویٰ شائع کرایا گیا کہ یہ حضرات سماع موتی کے منکر تھے۔ لیکن اہل علم اس سے بھی مطمئن نہ ہو سکے۔ اس لئے کہ جب تک اصل فتویٰ اور اس کی پوری عبارت کسی مطبوعہ کتاب اور مطبوع فتویٰ سے نہ دکھائی جائے، کب کسی کو اطمینان ہو سکتا ہے؟ باقی فوٹو سٹیٹ کاپیوں کے ذریعہ اطمینان کرانا جب کہ جعل سازی سے فوٹو سٹیٹ کاپیوں کے ذریعے زمین کو آسمان کر کے پیش کیا جا سکتا ہے۔ بالکل ایک لاحاصل اور بے فائدہ بحث ہے۔ یہ ان حضرات کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اصل عبارت بحوالہ کتاب پیش کرتے کہ کس کتاب میں یہ فتویٰ درج

ہیں یا اصل مطبوع فتویٰ بمع مکمل عبارت کے نقل کرتے اور تسلی کرنے والوں کو بوقت حاجت اصل مطبوع فتویٰ دکھا سکتے۔ صرف فوٹو کاپیوں سے نہ تسلی ہو سکتی ہے اور نہ اس کو کوئی تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔

جب سمجھ دار طبقہ نے اس کارروائی کو بھی "سماع الموتی" کا جواب تصور نہ کیا اور ان کی تسلی نہ ہوئی تو سب حضرات نے مل جل کر یہ فارمولا تیار کیا کہ اس کے جواب کے لئے جماعت کی بزرگ ترین شخصیت کا انتخاب ہو۔ چنانچہ اس فرض کفایہ کی ادائیگی کے لئے علم اور عمر کے لحاظ سے صف اوّل کے بزرگ حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب کا انتخاب ہوا اور بعض حواریوں نے ان کی بڑی خوشامد، منت وساجت کی کہ حضرت یہ بھاری چٹان آپ کے بغیر کوئی نہیں اٹھا سکتا اور جب تک یہ بھاری بھرکم وزن کی چٹان سماع الموتی راستہ سے نہ ہٹے ہمارے لئے مشکلات ہیں۔

چنانچہ بادل نخواستہ حضرت نے ان کی آرزو کو پورا کیا اور "الشہاب الثاقب علی من حرّف الاقوال والمذاھب" کے نام سے چوراسی صفحہ کا رسالہ لکھا اور اس میں اپنی پرانی اور مالوفہ عادت کے مطابق تعلّی اور ہمہ دانی کے بھرپور زور سے مؤلف سماع موتی اور ان کی جماعت کو بہت نیچا دکھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر وہ سماع موتی کے جواب میں بہت ہی بری طرح ناکام ہوئے ہیں اور سماع موتی میں سینکڑوں حوالوں سے نظر بچا کر کمال بزرگی کے پیش نظر صرف چند حوالوں کا جواب زیب قرطاس فرما کر اور کچھ ادھر ادھر کی غیر متعلق باتیں کر کے اور آخر میں بزرگانہ نصیحت فرما کر جواب سے فارغ الذمہ ہو گئے ہیں اور اس چھوٹی سی کتاب کا دس روپے ہدیہ مقرر کر کے اس کے وزن اور قیمت میں اور اضافہ کیا ہے۔ خیر ہمیں ان سے کوئی شکوہ نہیں وہ ہمارے بزرگ ہیں اور درسی کتابوں کے بہترین مدرس رہے ہیں۔ لیکن اب وہ اس عمر کے قریب ہو چکے ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لکیلا یعلم من بعد علم شیئاً! ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو غلط قسم کے حواریوں اور مشیروں کے چنگل سے بچا کر اپنے علم وبصیرت پر چلنے اور قائم رہنے کی توفیق بخشے اور جو غلط باتیں ان کے قلم سے نکلی ہیں ان سے رجوع کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

کسی بھی اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں ہو سکتی کہ جب بھی کوئی شخص کسی کتاب یا کسی مضمون کی تردید کرتا ہے تو بزعم خویش اس میں قابل مواخذہ سب باتوں کو ضرور ملحوظ رکھتا ہے جو باتیں قابل تردید ہوتیں ہیں۔ ان کی خوب دل کھول کر تردید کرتا ہے اور جو باتیں صحیح یا لاجواب ہوتی ہیں ان پر خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔

محترم جناب قاضی صاحب نے کتاب سماع الموتی میں درج شدہ صدہا صریح حوالوں میں سے صرف چند کا انتخاب فرمایا ہے اور بقیہ پر چپ سادھ لی ہے جو اس بات کا واضح تر قرینہ ہے کہ بقیہ سب حوالے اور استدلالات بالکل صحیح اور لاجواب ہیں ورنہ ان پر بھی ضرور گرفت کرتے اور جن حوالوں اور دلائل پر انہوں نے تنقید کی ہے اس کا حشر بھی بفضلہ تعالیٰ قارئین کرام بخوبی اس کتاب میں دیکھ لیں گے کہ اس کا تانا بانا اور کائنات کیا ہے؟ الغرض اس کتاب میں محترم جناب قاضی صاحب کی تردید کا پس منظر، پیش منظر اور تہ منظر بالکل کھل کر عیاں ہو جائے گا۔ لہٰذا خود محترم جناب قاضی صاحب کے لئے بھی اور اس مسئلہ میں ان کے جملہ حواریوں کے لئے بھی یہی مناسب ہے کہ کتاب سماع الموتی کے تنقید اور گرفت سے بالاتر دلائل اور حوالوں کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیں۔ کیونکہ وہ السکوت فی معرض البیان، بیان کے قاعدہ کے لحاظ سے صحیح اور لاجواب ہیں اور جن پر انہوں نے تنقید کی ہے، ان کو اور ان

کے روشن جوابات کو اس کتاب میں ملاحظہ فرما کر رجوع الی الحق کا پورا اور فی الفور ثبوت دیں اور قارئین کرام بھی ٹھنڈے دل سے ان کی تنقید پر غور فرمائیں کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ اور شوق اعتراض اور جذبہ تردید میں آکر محترم نے اسے کیا سے کیا بنا ڈالا ہے۔ دہائی اس پر مفت کی ہے اور زجر و توبیخ اور تعلّی اس پر مستزاد ہے جس سے ہر سطحی ذہن والا اور کم فہم آدمی ضرور مغالطے کا شکار ہو سکتا ہے کہ بات چونکہ ایک مدرس اور بڑے بزرگ کی ہے۔ لہٰذا کتاب سماع الموتی میں علمی اور تحقیقی طور پر ضرور خامی اور غلطی ہوگی۔

لیکن عقلی و نقلی دلائل کو پرکھنے والے حضرات اب بھی بفضلہ تعالیٰ موجود ہیں جو طرفین کی باتوں کا بخوبی جائزہ لے سکتے ہیں اور صواب و خطاء، صحیح و غلط اور دودھ و پانی کا فرق کر سکتے ہیں۔ اس لئے فیصلہ ہم انہی کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو صحیح اور غلط میں تمیز کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین!

ابوالزاہد محمد سرفراز

یکم رجمادی الاخریٰ ۱۴۰۳ھ، ۱۷ر مارچ ۱۹۸۳ء

کتاب سماع الموتی کے خلاف غصہ

جناب قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ: ''ایک مشورہ حضرت مولانا سرفراز صفدر کی خدمت میں عرض ہے کہ یہ فکر تو آپ نہ کریں کہ آپ کی یہ کتاب (سمع موتیٰ) لوگوں میں مقبول نہیں ہوگی۔ مقبول تو ضرور ہو جائے گی اس لئے کہ موجودہ دور جہالت میں ہر طرف علمی زوال ہے وہاں ایسی کتاب کہ جس میں ہر شخص کے متعلق جس کی عبارت کا حوالہ دیا گیا ہے یہ لکھا ہوا ہے۔ المتوفی فی سنۃ فلان، المتوفی فی سنۃ فلاں (لفظ فیوضات حسینی میں عدم مطابقت کے اعتراض کو جناب قاضی صاحب نے تسکین القلوب میں بھی اور اس رسالہ میں بھی خوب دہرایا ہے لیکن خود جناب قاضی صاحب کو سنۃ فلاں کی غلطی کا کوئی احساس نہیں۔ صفدر) جو ایک محققانہ رنگ ہے کیسے قبول نہیں ہوگی جب کہ علماء بلکہ علماء مدرسین کی یہ حالت ہے کہ: ''یُستحَبُ الصلوٰۃ'' کی جگہ ''یُستحِب الصلوٰۃ'' اور ''یُکرہُ الصلوٰۃ'' کی جگہ ''یَکرَہُ الصلوٰۃ'' پڑھاتے ہیں۔'' (ص۷۹)

پھر آگے (ص ۸۰، ۸۱) میں تلفظ کے اغلاط کی چند مثالیں دی ہیں اور (ص ۴۲) میں لکھتے ہیں کہ: ''آپ چاہتے ہیں کہ اندر بیٹھے ہر ایک کے نام کے ساتھ ''المتوفی فی سنۃ کذا المتوفی فی سنۃ کذا'' لکھ کر اس تصنع اور بناوٹ سے اپنی دھاک بٹھائیں۔''

اور (ص ۴۸) میں لکھتے ہیں کہ: ''موصوف سمع موتی پر ایک کتاب لکھ کر ہماری اس سب احتیاط، اجتناب کی تلقین اور تاکید کا ملیامیٹ کر دیں جس کتاب کو اہل بدعت لے کر بغلیں بجائیں اور خوشیاں منائیں اور کہیں کہ ہمیں جتنا اس کتاب سے فائدہ ہوا اپنوں سے بھی نہیں ہوا۔''

اور (ص ۳۱) میں لکھتے ہیں: ''بے شک اکابر دیوبند نے کسی کے پوچھنے پر اور استفتاء پر تو مختلف جواب دیئے لیکن نہ تو ان میں سے کسی نے سماع موتی پر کتاب لکھی اور نہ لکھنے کو اچھا سمجھا اور لکھتے بھی کیوں، اگر مردے سنیں تو ہم نے ان سے مانگنا کچھ نہیں اور نہ سنیں تو ہمارا بگڑ کچھ نہیں جاتا تو اس پر کتاب لکھنا: ''جی بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے'' کے سواء اور کچھ بھی نہیں۔''

الجواب: جناب قاضی صاحب کا یہ ارشاد تصویر کا صرف ایک رخ اور ون وے ٹریفک کے مترادف ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ! کتاب سماع الموتی سے جہاں بعض بریلویوں کی اصلاح ہوئی ہے، وہاں دیوبندی مسلک کے بہت سے حضرات کی پیچ در پیچ غلطیاں دور ہوئیں ہیں جن کے سامنے اکابر کی اصل عبارتیں نہ تھیں اور دھوکا بازوں نے انہیں ان کی مختصر اور مجمل عبارتوں سے فریب دیا تھا اور اب ان کی آنکھیں روشن ہوگئیں اور دل منور ہوگئے ہیں کہ حقیقت کیا ہے اور ان کی مجمل عبارات کو غلط انداز میں پیش کرنے والوں نے کیا تاثر دیا ہے اور اس امر کو منصف مزاج حضرات جو علم اور اکابر سے تعلق رکھتے ہیں بخوبی جانتے اور مانتے ہیں اور اس کتاب میں صریح پیش کردہ حوالوں سے (مثلاً قبور سے اس طور دعا کرنا کہ اے صاحب قبر اس طرح میرا کام کردے تو یہ حرام اور شرک بالاتفاق ہے)'' (ص ۸۳)

اور'' مثلاً یہ کہ صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کردو، یہ شرک ہے۔'' (ایضاً) وغیرہ وغیرہ! بعض منصف مزاج بریلویوں پر حقیقت واضح ہوگئی کہ جیسا کوئی زندہ بزرگ بات سن کر کچھ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح مردے بھی سن کر کچھ نہیں کرسکتے، کام کرنے والا صرف پروردگار ہے۔

اسی سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبر   یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

الغرض! اکابر کی تلقین اور احتیاط کو اس مدلل کتاب نے بفضلہ تعالیٰ خوب اجاگر کیا ہے اور ان کی کسی بات پر اس سے زد نہیں پڑی اور نہ پڑسکتی ہے تو ان کی احتیاط و تلقین بھلا اس سے ملیا میٹ کیسے ہوئی؟ یا کیسے ہوسکتی ہے؟ جیسا کہ جناب قاضی صاحب کا بے بنیاد نظریہ ہے۔

جناب قاضی صاحب کا یہ ارشاد کہ: '' اکابر دیوبند نے سماع الموتی پر کتاب نہیں لکھی۔'' تفصیل طلب ہے۔ اوّلاً اس لئے انہوں نے کتاب نہیں لکھی کہ ان کے دور میں القول الجلی، مسالک العلماء، تسکین القلوب، شفاء الصدور، الاقوال المرضیہ، ندائے حق اور اقامۃ البرہان وغیرہ افراط و تفریط اور غلو و تعصب سے بھری ہوئی کتابیں بھی تو طبع نہیں ہوئی تھیں۔ ان سے استفتاء کرنے والے جب مسئلہ پوچھتے تھے تو وہ اپنی علمی تحقیق بیان کردیتے اور دوسرے فریق کے ادب اور احترام اور علمی مقام کو باقاعدہ ملحوظ رکھتے جیسا کہ ان کے فتوؤں سے بالکل عیاں ہے۔ مثلاً: حضرت مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

فصل ششم مسئلہ سماع موتی

سوال: سماع موتی محققین علماء کے نزدیک ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: (۱۹۵) مسئلہ سماع موتی قرون اولیٰ سے مختلف فیہ چلا آتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس میں اختلاف تھا۔ قرن صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد بھی ہمیشہ علماء اس میں مختلف رہے۔ اکثر صوفیاء سماع موتی کے قائل ہیں۔ لیکن علمائے حنفیہ کے نزدیک ثابت نہیں۔ ہاں میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس قدر حیات اس میں ڈالی جاتی ہے کہ وہ آرام یا تکلیف کو محسوس کرسکے۔ (فی الشامی ج ۲ ص ۱۳۴)'' ولا یرد تعذیب المیت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیوۃ عند العامۃ بقدر ما یحس بالالم والبنیۃ لیست بشرط عند اھل السنۃ بل تجعل الحیوۃ فی تلک الاجزاء

المتفرقة التی لا یدرکه البصر و قال بعد اربعة اسطر و لا یرد ما فی الصحیح من قوله ﷺ لاهل قلیب بدر هل وجدتم ما وعد کم ربکم حقاً فقال عمر اتکلم الیت یا رسول الله فقال ﷺ و الذی نفس بیدہٖ ما انتم باسمع من هؤلاء او منهم فقد اجاب عنه المشائخ بانه غیر ثابت یعنی من جهة المعنی و ذالک لان عائشة ردته بقوله تعالٰی و ما انت بمسمع من فی القبور انک لا تسمع الموتٰی و انه انما قاله علٰی وجه الموعظة للاحیاء و بانه مخصوص باؤلٰئک تضعیفا للحسرة علیهم خصوصیة له ﷺ معجزة لکن یشکل علیهم ما فی مسلم ان المیت یسمع قرع نعالهم اذا انصرفوا الا ان یخصوا ذالک باوّل الوضع فی القبر مقدمة للسوال جمعاً بینه و بین الآیتین فانه شبه فیهما الکفار بالموتی الافادة بعد سماعهم و هو فرع عدم سماع الموتٰی''

تاہم کسی فریق کو یہ حق نہیں کہ دوسرے فریق کو تضلیل یا تفسیق یا تجہیل کر سکے۔ کیونکہ اس صورت میں کہ مسئلہ قرون اولیٰ میں بھی مختلف فیہ تھا، اس تضلیل یا تفسیق یا تجہیل کا اثر صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچے گا۔ ولا شک فی فسادہ۔

(کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۹۶، ۱۹۷)

ثانیاً ان کے دور میں کسی احمق نے یہ کہا تھا کہ سماع موتی کے قائل لوگ مشرک ہیں اور یہ ابوجہل کا ٹبر (خاندان) ہے اور سماع موتی کے قائل علماء سوء اور ملحد و مبتدع اور ملعون ہیں۔ یقین جانئے کہ اگر ان کے دور میں ایسا تحزب اور غلو ہوتا تو وہ صرف کتاب ہی نہ لکھتے بلکہ کتابیں لکھتے اور اس کا خود رد کر کے اپنا علمی فریضہ ادا کرتے۔

ثالثاً: صراحت سے، بغیر ہیر پھیر کے یہ بتائیں کہ ان کے دور میں کس نے یہ کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک کا جسم عنصری سے تعلق نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے؟ کسی ایک شخص کا صراحت سے باحوالہ تذکرہ تو کریں تاکہ ہماری معلومات میں بھی علمی اضافہ ہو۔ بخلاف اس کے مولوی سعید احمد صاحب چتوڑ گڑھی (سنا ہے کہ وہ محترم جناب قاضی شمس الدین صاحب کے شاگرد رشید ہیں اور) جو انجمن اشاعت التوحید والسنۃ کے سرگرم رکن ہیں جن کو آپ حضرات اپنے جلسوں میں بلاتے ہیں اور ان کی سرپرستی کرتے ہیں اور وہ آپ حضرات کی شہ پر ہی غلو اور تعصب کا خوب خوب مظاہرہ کرتے ہیں اور یہاں تک انہوں نے کہا کہ جو شخص سماع صلوٰۃ وسلام عند قبر النبی الکریم ﷺ کا قائل ہے وہ بلا شک قطعی کافر ہے۔'' (بحوالہ دعوت الانصاف ص ۴)

جناب قاضی صاحب ہی انصاف سے فرمائیں کہ ان کے اس کافرانہ فتویٰ سے حضرات سلف وخلف میں سے کوئی مسلمان بچ سکتا ہے؟ محترم جناب قاضی صاحب! آپ کی اور آپ کے حواریوں کی آنکھوں میں مدلل اور لاجواب ہونے کی وجہ سے صرف کتاب سماع الموتی ہی کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے اور صرف اسی کا آپ شکوہ کرتے ہیں۔ ذرا دوسری طرف بھی نگاہ اٹھائیں:

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

ورابعاً: آپ ہی کی اپنے مؤکل نیلوی صاحب سے نقل کردہ عبارت میں یہ بات مذکور ہے کہ مولوی کرامت اللہ خان صاحب نے سماع موتی کے مسئلہ میں کچھ غلو سے کام لیا اور ان کے رسالہ کا رد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے کیا اور جس پر متعدد حضرات کے دستخط ہیں۔ اس رسالہ کے مرکزی اور نزاعی الفاظ اور ان کی تردید کے الفاظ اور

قید تو آپ بتاتے ہی نہیں، صرف ان کی مجمل تصدیقات نقل کرنے کی خوشی میں آپ پھولے نہیں سماتے۔ آپ ہی کے نقل کردہ یہ الفاظ ہیں۔ ''فاضل مجیب نے جس قید کے ساتھ مولوی کرامت خاں صاحب کے رسالہ کا جواب دیا ہے نہایت صحیح ہے''۔ عبدالسلام دہلوی (الشہاب الثاقب ص ۱۶) افسوس کہ مولوی کرامت اللہ خان صاحب کے رسالہ کے اس مسئلہ کے متعلق اصل الفاظ اور جس قید کے ساتھ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کا جواب لکھا ہے اور اس قید کو ملحوظ رکھ کر مصدقین حضرات نے تصدیق کی ہے سامنے ہوتے تو پھر حقیقت کھلتی لیکن اتنی بات تو بالکل یقینی ہے کہ مولوی کرامت اللہ خان صاحب نے ضرور جناب نیلوی صاحب کی طرح اس مسئلہ میں غلو اور کوئی افراط وتفریط کی ہے جس کے جواب دینے پر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور ان کے مصدقین مجبور ہوئے ہیں۔ جناب قاضی صاحب کو ایک ذمہ دار بزرگ ہونے کی وجہ سے دوسرے غالی فریق کی بھی خوب گوشمالی کرنی چاہئے۔ لیکن وہ اپنے حواریوں کے اکسانے سے کمر باندھ کر اور لنگوٹ کس کے صرف سماع الموتی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

کیا کتاب سماع الموتی مسلک دیوبند کے خلاف ہے؟

ہم موصوف کی عبارات ان کے اپنے الفاظ میں لکھ کر اس پر اختصاراً کچھ عرض کرتے ہیں۔

۱...... ''ہمارے زمانے میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس نے حضرات دیوبند کے مسلک کو کچھ نیچے اتارا اور مبتدعہ نے اس سے استفادہ کیا۔ ہم ایک جگہ مبتدعہ کے ساتھ مناظرہ کے لئے گئے۔ مناظرہ تو نہ ہوا مگر فریق مخالف کی باتوں سے ایسا پتہ چلا کہ اس کے پیچھے (نہ معلوم اس کا اشارہ کس طرف ہے؟ فریق مخالف کی طرف یا باتوں کی طرف؟ مرتب) موصوف کی کتاب بول رہی ہے۔'' (بلفظہٖ ص ۳)

الجواب: ''اس عبارت میں موصوف نے اپنے حقیقت ناشناس حواریوں کو یہ بتانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ کتاب سماع الموتی نے حضرات دیوبند کے مسلک کو کچھ نیچے اتارا۔'' کاش کہ وہ یہ بتاتے کہ وہ کون سا مسئلہ ہے جو سماع الموتی میں مسلک دیوبند سے کچھ نیچے اترا ہوا ہے۔ تاکہ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جا سکتا۔ مگر موصوف کو ایک شوشہ ہی چھوڑنا تھا اور بس۔ اگر اس کتاب میں درج شدہ مسائل اور دلائل مسلک دیوبند کے معیار پر پورے نہ اترتے تو حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا بجنوری دام مجدہم جیسی وسیع النظر شخصیتیں کبھی اس کتاب کی بھرپور تائید نہ کرتیں۔ کتاب دفع الشبہ کی ایک عبارت کے ترجمہ میں مرجع کی تعیین کی غلطی طبع اول میں ہو گئی تھی اور ان دونوں بزرگوں نے الگ الگ تحریریں اس کی اصلاح کی لکھیں اور معاف نہیں کیا اور اب اس غلطی کی اصلاح کر لی گئی ہے۔ اگر اس کتاب میں کہیں بھی مسلک دیوبند کی مخالفت ہوتی تو یقیناً یہ حضرات گرفت کرتے اور اصلاح کی تلقین کرتے۔ کیونکہ ضمیر کے مرجع کی تعیین کی غلطی سے مسلک کی غلطی تو کہیں زیادہ ہے۔

اپنی آنکھ کا شہتیر

ہمارے بارے میں موصوف تو یہ لکھتے ہیں کہ ہم نے مسلک دیوبند کو نیچے اتارا ہے جو بالکل خلاف واقع ہے لیکن خود خیر سے حضرات دیوبند کے ایک گونا اجماعی مسلک سے اتفاق کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے

ہیں کہ: ”دیکھئے ہم آنحضرت ﷺ کے لئے بعد از وفات حیات دنیوی کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حیات دنیوی نہیں بلکہ حیات برزخی اخروی ہے جو حیات دنیوی سے بدرجہا افضل، اکمل، اجمل، اولیٰ، اعلیٰ برتر بالاتر ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ مہند کی عبارت سے اتفاق نہیں، اس پر آپ ہمیں دیوبندی مانیں یا کہہ دیں کہ یہ لوگ دیوبندی نہیں ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں نہ یہ کہ ہمیں دیوبندی مانتے ہیں یا نہیں۔“ (ص ۱۱ و ۱۲)

المہند پر اکابر علماء دیوبند میں سے تیئس حضرات کی تصدیقات اور دستخط موجود ہیں، جن میں خصوصیت سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ، مولانا احمد حسن امروہی، مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندی، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ، مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ اور مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مگر قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ ہمیں مہند کی عبارت سے اتفاق نہیں۔ ہمیں کوئی دیوبندی کہے یا نہ کہے ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں۔ ملاحظہ کیجئے کہ کس طرح اکابر علماء دیوبند کثّر اللہ تعالیٰ جماعتہم کے اجماعی مسلک کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور (۲۸ و ۲۹) میں بڑے فخریہ انداز سے لکھتے ہیں کہ: ”حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے ہمیں دیوبندی اور کٹر دیوبندی کہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت قاری صاحب کو دور رہنے کی وجہ سے تفصیلاً آپ کے نظریات معلوم نہیں ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس حسن ظن کی وجہ سے آپ کو دیوبندی کہا کہ آپ علمائے دیوبند کے شاگرد ہیں اور چند ماہ دارالعلوم میں درجہ وسطانی میں مدرس رہے ہیں۔“

اور (ص ۲۹) میں لکھتے ہیں کہ: ”قاری محمد طیب صاحب کے ساتھ صد سالہ اجلاس میں مہمان خانہ میں گفتگو ہوئی تھی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ان حضرات حیات دنیویہ والوں کا نظریہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا تفرد ہے۔ باقی اکابر دیوبند کا وہی نظریہ ہے جو تم کہتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ ہم نے اس پر بیس سال مار کھائی۔ فرمانے لگے طاقت والا آدمی ہی مار کھاتا ہے۔“ یوں معلوم ہوتا ہے کہ مہمان خانہ میں ہجوم اور بھیڑ کی وجہ سے یا تو حضرت قاضی صاحب موصوف اپنا پورا نظریہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے سامنے نہیں پیش کر سکے اور یا وہ مصروفیت کی وجہ سے ان کی بات توجہ سے نہیں سن سکے۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا تفرد حیات دنیویہ کے بارے میں نہیں ہے۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا تفرد صرف موت کے معنی میں ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: ”ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا۔ فقط مثل چراغ اطراف وجوانب سے قبض کر لیتے ہیں اور سواء ان کے اور کی ارواح کو خارج کر دیتے ہیں۔“ (جمال قاسمی ص ۱۵)

اور ایسا ہی وہ آب حیات (ص ۱۶۸) میں لکھتے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں: ”مگر اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ میں سے نہیں سمجھتا نہ تعلیم ایسی باتوں کی کرتا ہوں نہ منکروں سے دست و گریبان ہوتا ہوں۔“ (لطائف قاسمیہ ص ۵)

ہم نے اس کی پوری بحث تسکین الصدور میں کر دی ہے۔ الغرض حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا تفرد موت کی تفسیر اور معنی میں ہے اور قبر میں حیات دنیویہ اور برزخیہ کا مسلک اکابر علماء دیوبند کا اجماعی عقیدہ ہے۔

چنانچہ المہند میں ہے: ”عندنا وعند مشائخنا حیاۃ حضرت الرسالۃ ﷺ دنیویۃ من غیر تکلیف

وھی مختصة به ﷺ وبجمیع الانبیاء علیہم السلام والشھداء لا برزخیة کماھی لسائر المؤمنین بل ھی لسائر الناس الی قوله فثبت بھذا ان حیوته دنیویة برزخیة لکونھا فی عالم البرزخ" (المہند ص ۱۳، طبع قاسمی دیوبند)

ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے۔ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو (آگے فرمایا) پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ میں حاصل ہے۔"

یہ ترجمہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۴۶ھ) کا ہے جو المہند کے مرتب اور اس کے مترجم ہیں۔ اس صاف اور صریح عبارت سے واضح ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کی قبر میں حیات دنیوی کے قائل صرف حضرت نانوتوی رحمہ اللہ ہی نہیں بلکہ بقول حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ یہ ان کا اور مشائخ دیوبند کا مسلک ہے اور تیئس حضرات کی اس پر تصدیقات موجود ہیں جن میں سے بعض کے نام پہلے گزر چکے ہیں اور چوبیسویں خود حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ ہیں۔ اگر دو درجن حضرات کی رائے کا نام بھی تفرد ہے تو یہ عجیب ہی تفرد ہے۔ حضرت قاضی صاحب موصوف میں یہ دیرینہ خامی چلی آتی ہے کہ بڑی جلدی جذبات میں آجاتے ہیں اور اپنی ہی کہانی سناتے رہتے ہیں۔ دوسرے کی بات توجہ سے کم سنتے ہیں۔ یقیناً ایسا ہی قصہ ان کو یہاں بھی پیش آیا ہو گا ولابد۔

باقی آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زندگی کو برزخی تو قاضی صاحب موصوف بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی تشریح کی چنداں ضرورت نہیں اور اکابر علماء دیوبند اس معنی میں برزخی مانتے ہیں کہ وہ برزخ میں حاصل ہے جیسا کہ المہند کی عبارت سے نقل کیا جا چکا ہے۔ البتہ حیات دنیوی کی قدرے تشریح ہم کرتے ہیں۔ باحوالہ پوری تشریح تو ہم نے تسکین الصدور میں کر دی ہے، وہاں ہی ملاحظہ کر لیں۔ حیات دنیوی کا یہ مطلب ہے کہ روح مبارک کا تعلق دنیوی بدن سے ہے، طیور اور بدن مثالی وغیرہ کسی اور جسم سے نہیں ہے اور دنیا کی سی کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی طرح ادراک وشعور، علم وسماع کی صفات اس کو حاصل ہیں نہ یہ کہ دنیوی کھانے پینے اور ایسے ہی دیگر حاجات کو مستلزم ہے اور نہ یہ کہ دوسرے لوگ اس کو محسوس کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں۔

جناب قاضی صاحب کا اپنا اقرار

حضرت قاضی صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ کے نزدیک یہ عذاب وثواب قبر اور تألم وتلذذ صرف روح سے تعلق رکھتا ہے۔ (صوفیاء کرام رحمہم اللہ کا مسلک تسکین الصدور میں ملاحظہ کریں کہ کیا ہے؟ مرتب) اس جسم عنصری سے اس کا تعلق نہیں اور فقہا کرام رحمہم اللہ اور متکلمین رحمہم اللہ کے نزدیک یہ جسم خواہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو، پھر بھی قبر کے عذاب وثواب اور تألم وتلذذ میں روح کا شریک ہے اور فتویٰ بھی فقہاء کرام رحمہم اللہ کے قول پر دینا چاہئے۔" (تسکین القلوب ص ۴۷)

اور اپنی کتاب "التعلیق الفصیح علی المشکوٰة المصابیح" میں لکھتے ہیں کہ: "وقال الفقھاء ھو للروح مع الجسد ویشارک الجسد فیه الروح" (ج ۱ ص ۳۹) حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ عذاب وراحت روح اور جسم دونوں کو ہے اور جسم اس میں روح کے ساتھ شریک ہے۔

جب عام اموات کے بارے میں فتویٰ یہ ہے کہ قبر میں راحت وعذاب جسم عنصری اور روح دونوں کو ہے گو جسم عنصری ریزہ ریزہ ہی کیوں نہ ہو جائے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ تو صحیح احادیث کے پیش نظر عند الکل محفوظ ہیں تو ان کے ساتھ ارواح کے تعلق کا کیا اشکال ہے؟

الغرض! جو حضرات حیات دنیوی کا جملہ بولتے ہیں تو اس معنی میں کہ روح مبارک کا اس جسد اطہر کے ساتھ تعلق ہے جو دنیا میں تھا اور علم وادراک وشعور وسماع میں دنیا کی سی کیفیت حاصل ہے لیکن یہ تعلق برزخ میں ہے اس لئے برزخی بھی ہے۔ اگر کسی صاحب کو آپ ﷺ کی روح مبارک کے جسد اطہر سے تعلق اور عند القبر سماع صلوٰۃ وسلام کے بارے میں تردد یا شک ہے تو تسکین الصدور کا مطالعہ کرے اور اگر روح مبارک کے جسد اطہر سے تعلق اور سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر کا منکر ہے تو ہم مباہلہ کے لئے تیار ہیں جہاں چاہے ان شاء اللہ العزیز کر سکتے ہیں۔

حیات دنیوی کا معنی؟

حضرت قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ دراصل اور درحقیقت حیات النبی ﷺ کے دونوں فریق قائل ہیں۔ اختلاف یہ ہے کہ یہ (یعنی یہ مؤلف تسکین الصدور اور سماع الموتی اور ان کے ساتھی۔ صفدر) حیات دنیوی کے قائل ہیں اور ہم حیات برزخی اخروی کے قائل ہیں جو حیات دنیوی سے بدرجہا افضل، اکمل، اجمل، برتر، بالاتر ہے۔ (ص ۷۷)

اور اس مسئلہ کے حل کے سلسلہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ: ''اب سوچنا یہ ہے کہ اس مسئلہ کو حل کیسے کیا جائے؟

۱...... ایک صورت تو یہ ہے کہ چونکہ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں صرف ضد، عناد، حسد، بغض کی بنا پر کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ جو کچھ کرتے پھریں ہم چپ رہیں۔ دلیل اس امر کی یہ ہے کہ ان لوگوں نے ذوالفقار علی بھٹو کی امداد کر کے پاکستان سے اسلام، اقدار اسلامیہ اور اخلاق کی بیخ کنی کرائی اور اس پر نادم نہیں، کیا وہ بڑا جرم تھا یا یہ حیات کا مسئلہ جو ہمارے ذمے لگاتے ہیں۔

۲...... دوسری صورت یہ ہے کہ کسی ثالث منصف شخص یا جماعت کے سامنے دونوں فریق بیٹھ کر برادرانہ گفتگو (مناظرہ) کر لیں۔

۳...... تیسری صورت یہ ہے کہ انتقال کے بعد آنحضرت ﷺ کی حیات دنیویہ ہے یا اخرویہ برزخیہ اس پر مباہلہ کر لیں۔

۴...... چوتھی صورت یہ ہے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ یہاں ان کے سامنے لکھ دیتے ہیں۔ پھر دونوں فریق کے چند آدمی اسے لے کر دیو بند چلے جائیں اور حضرات کے سامنے رکھ کر پوچھیں کہ اس عقیدہ والا آدمی دیو بندی ہے یا نہیں جو وہ کہہ دیں ان کے فیصلہ کو منظور کر لیں۔'' (ص ۷۸، ۷۹)

الجواب: ہم نہایت اختصار کے ساتھ ان چاروں صورتوں کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

پہلی صورت کے متعلق اوّلاً تو یہ عرض ہے کہ ضد، عناد، حسد اور بغض (جو دعویٰ ہے) کا ذوالفقار علی بھٹو کی امداد سے کیا ربط اور تعلق ہے کہ آپ اس کو بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دلیل اس امر کی یہ ہے۔'' خدارا بتلایئے کہ اس دعویٰ اور دلیل کا کیا جوڑ ہے؟ اور بھٹو صاحب کی امداد یا عدم امداد کا مسئلہ حیات النبی ﷺ سے شرعی، منطقی یا عرفی کون سا جوڑ اور تلازم ہے؟

ثانیاً: اگر بقول آپ کے جمعیۃ العلماء اسلام نے سیاسی طور پر ایک حد تک بھٹو صاحب کا ساتھ دیا تو مفتی محمود صاحب مرحوم نے ڈیرہ اسماعیل خان میں مقابلہ کر کے شکست فاش بھی تو بھٹو صاحب کو دی تھی اور اسمبلی میں ڈٹ کر مقابلہ بھی تو کیا تھا کہ گھسیٹ کر باہر پھینک دیئے گئے تھے اور پھر بھرپور تحریک چلائی تھی اور اس کی قیادت کی تھی۔ حتیٰ کہ اس کے نتیجہ میں بھٹو صاحب کو اقتدار بلکہ جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ الغرض! جب تک اقدار اسلامیہ کی مخالفت اور اخلاق حسنہ کی بیخ کنی کا علم نہ تھا اور محض ان کی زبانوں پر اعتماد کر کے ان کو سچا تصور کر لیا گیا تھا تو چند قدم ان کے ساتھ چلے تھے۔ پھر جب ان کا فریب عیاں ہو گیا تو مقابلہ کی ٹھان لی، جس کا واضح نتیجہ ہر ایک کے سامنے آ گیا۔

ثالثاً: جمہور کے نزدیک جس معنیٰ میں حیات ثابت ہے، اس کا انکار کون سا مرغوب اور پسندیدہ امر ہے جس میں آپ حضرات تعصب اور تحزب میں آ کر مبتلاء ہیں اور دوسرے حضرات آپ سے اس میں حسد اور بغض وعناد کرتے ہیں؟ دوسرے حضرات تو آپ کے اس غلط نظریہ کو درست ہی نہیں سمجھتے تو پھر وہ آپ کے ساتھ اس میں حسد کیوں کرتے ہیں اور کیوں کریں گے؟ جناب قاضی صاحب نے تعلّی کے جذبات میں آ کر ایسے الفاظ لکھ دیئے ہیں کہ نہ ان کا سر ہے اور نہ پاؤں جو بالکل بے موقع اور بے محل اور خالص بے مغز ہیں۔

رابعاً: المہند میں حیات دنیوی و برزخی کا جو جملہ ہے جس پر اکابر علماء دیوبند کی تصدیقات ہیں، کیا ان حضرات نے آپ لوگوں کے ساتھ اختلاف رونما ہونے سے قبل ہی محض ضد، حسد اور عناد و بغض کی وجہ سے حیات دنیوی کا جملہ لکھ دیا تھا اور مصدقین نے اس کی تصدیق کر دی تھی؟ اگر حیات دنیوی و برزخی کا جملہ ضد وعناد کی پیداوار ہے تو کیا وہ ضدی گروپ کی پیدائش یا اس سے اختلاف ظاہر ہونے سے قبل ہی حسد اور عناد پر اتر آئے؟ خدارا فرمایئے کہ بات کیا ہے؟ اور ضدی گروپ کون ہے؟

دوسری، تیسری اور چوتھی صورت کا اجمالی جواب یہ ہے کہ آپ حضرات خود ہی اکابر کے نزدیک حیات دنیوی کا جو مفہوم ہے وہ نہیں سمجھے یا پھر ضد اور عناد کی وجہ سے ماننے پر آمادہ نہیں۔ ہم پہلے المہند کے حوالہ سے ان حیوتہ دنیویۃ برزخیۃ کے الفاظ نقل کر چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک میں زندگی دنیوی بھی ہے اور برزخی بھی۔ دنیوی بایں معنیٰ کہ آپ کی روح مبارک کا قبر شریک میں اسی جسد اطہر و عنصری سے تعلق ہے جو آپ کو دنیا میں حاصل تھا اور ہم نے بفضلہ تعالیٰ ''تسکین الصدور'' میں روشن دلائل اور واضح حوالوں سے یہ بات ثابت کی ہے کہ نیک لوگوں کی ارواح کا مستقر علیین اور جنت ہے اور برے لوگوں کی ارواح کا مستقر سجین اور نار ہے لیکن بایں ہمہ صحیح احادیث اور علماء ملت کے روشن اور صریح حوالوں کے پیش نظر ارواح کا قبور میں اجسام سے بھی تعلق رہتا ہے۔ اگر آنحضرت ﷺ کی روح مبارک کا قبر شریف میں اس بدن عنصری سے تعلق ہو جو دنیا میں آپ کو حاصل تھا تو شرعاً اور عقلاً اس میں کیا استبعاد ہے؟ اکابر علماء دیوبند جب حیات دنیوی کا جملہ بولتے ہیں تو اس سے ان کی یہی مراد ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی روح مبارک کا اس جسد اطہر سے قبر شریف میں تعلق ہے جو آپ کو دنیا میں حاصل تھا۔ چنانچہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''انبیاء علیہم السلام کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔'' (لطائف قاسمیہ ص ۴) اور اس سے قبل لکھتے ہیں کہ: ''انبیاء کرام علیہم السلام کو ان اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ یہ نہیں کہ مثل شہداء ان ابدان کو چھوڑ کر اور ابدان سے تعلق ہو جاتا ہے۔'' (لطائف قاسمی ص ۳)

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی اس واضح عبارت سے یہ ثابت ہوا کہ جیسے حضرات شہداء کو دوسرے عارضی طیور وغیرہا کے اجسام مرحمت ہوتے ہیں۔ (اوران کا تعلق فی الجملہ اجسام عنصریہ سے بھی قائم رہتا ہے۔ تسکین الصدور) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا یہ معنی نہیں کہ اپنے ابدان عنصریہ کو چھوڑ کر اور اجسام سے ان کا تعلق ہو جائے بلکہ ان کے ارواح کا تعلق ابدان دنیویہ سے ہوتا ہے اور اسی لحاظ سے اس حیات کو حیات دنیوی حقیقی اور جسمانی کہتے ہیں۔ حیات دنیویہ کا یہ مطلب ان حضرات کے نزدیک ہرگز نہیں کہ دنیا کی زندگی کی طرح دنیوی خوراک کے محتاج ہوں یا بدن کا نشوونما ہو یا دوسرا کوئی اس زندگی کا ادراک وشعور کر سکے اور اس کو محسوس طور پر زندگی نظر آتی ہو اور نقل وحرکت کرتے دکھائی دے۔

چنانچہ علامہ زرقانی رحمہ اللہ امام سبکی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ: ''وانہ احیی بعد الموت حیاۃ حقیقیۃ ولا یلزم منہ ان یکون معہا کما فی الدنیا من الحاجۃ الی طعام وشراب وغیر ذالک من صفات الاجسام الذی نشاھدھا ای لان ذالک عادی لا عقلی والملائکۃ احیاء ولا یحتاجون الی ذالک''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد حیات حقیقیہ سے زندہ کئے گئے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حیات حقیقیہ کے ساتھ دنیوی کھانے پینے اور دیگر اجسام کی ان صفات کی حاجت پڑے جن کا ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔ یعنی اس لئے کہ یہ حاجت عادی ہے عقلی نہیں۔ مثلاً فرشتے زندہ ہیں۔ (بحیات حقیقیہ) لیکن وہ کھانے پینے وغیرہ اشیاء کے محتاج نہیں ہیں۔ (زرقانی علی المواہب ج ۸ ص ۳۱۰)

غور فرمائیں کہ ایک طرف تو یہ حضرات اس حیات پر حقیقیہ کا اطلاق کرتے ہیں دوسری طرف اس کی تصریح کرتے ہیں کہ اس حیات میں کھانے پینے کی اشیاء کی حاجت نہیں۔ (یعنی وہ خوراک اور پانی جو دنیوی ہے نہ کہ وہ خوراک وغیرہ جو قبر اور برزخ میں حسب حال جنت سے ملتی ہے۔ وہ تو اپنی جگہ ثابت ہے: ''عند ربھم یرزقون'' اس لئے خلط مبحث سے اجتناب کریں) اور اسی طرح اجسام کی دیگر صفات مثلاً نقل وحرکت وغیرہ جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ لازم نہیں آتی۔ ایسی تصریحات کی موجودگی میں بھی کوئی شخص ان حضرات کی اصطلاح میں حیات دنیوی، حیات حقیقی اور حیات جسمانی کا معنی نہ سمجھے تو پہلے ان کی اصطلاحات کو سیکھنے کی کوشش کرے پھر ان سے الجھے اور لٹھ لے کر ان کا تعاقب کرے تاکہ نزاع کا کوئی فائدہ بھی نکلے۔

مناظرہ اور مباہلہ کس سے اور کیوں؟

ہم نے صراحتاً جمہور کا مسلک عرض کر دیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد عنصری اور دنیوی بدن مبارک سے روح اطہر کا قبر شریف میں تعلق مانتے ہیں اور اسی تعلق کی بنا پر حیات کے قائل ہیں اور عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کے بھی قائل ہیں اور یہی کچھ الفاظ کو قدرے پیچ دے کر جناب قاضی صاحب تسلیم کرتے ہیں اور حیات دنیوی کے قائلین کو اہل سنت والجماعت سے وابستہ مانتے ہیں تو پھر مناظرہ اور مباہلہ کس سے اور کیوں؟ چنانچہ محترم جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''اور اس عالم دنیا سے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں مثل شہدا بلکہ شہدا سے بھی اعلیٰ وافضل حیات برزخیہ عطا فرمائی گئی وہ حیات دنیویہ نہیں بلکہ اس سے بدرجہا اعلیٰ وارفع،

اجمل وافضل حیات برزخیہ ہے نہ کہ حیات دنیویہ لیکن اگر کوئی اس حیات کو دنیوی کے نام سے تعبیر کرے اور آپ کی حیات برزخیہ سے بھی انکار نہ کرے تو اس کو جماعت اہلسنت سے خارج نہیں کرنا چاہئے۔"

عنایت اللہ بخاری عفی عنہ مسجد جامع گجرات

(تعلیم القرآن ماہ جنوری ۱۹۶۰ء ص ۳۲)

اس فتویٰ پر پچاس علماء کرام کے دستخط ہیں جن میں حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب رحمہ اللہ، مولانا قاضی شمس الدین صاحب اور مولانا قاضی محمد عصمت اللہ صاحب وغیرہ حضرات شامل ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ المہند میں آپ ﷺ کی قبر شریف کی زندگی کو دنیویہ برزخیہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور دنیویہ کا معنی بھی باحوالہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے اور ہم اور ہمارے جملہ اکابر اور فقہاء اسی نظریہ کے حامل اور قائل ہیں اور خود جناب قاضی صاحب کے بھی حیات دنیویہ برزخیہ کے قائلین کے سنی ہونے پر دستخط ثبت ہیں تو پھر وہ ان سے مناظرہ ومباہلہ کرنے سے پہلے خود اپنے ساتھ ہی یہ معاملہ کرلیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے نظر آجائے اور نہ ہینگ لگے نہ پھٹکری۔

جناب قاضی صاحب بلاوجہ بات کو گول کر کے منصفوں اور ثالثوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ضروری نہیں کہ یہ حیات دوسروں کو بھی محسوس ہو

کسی بھی منصف مزاج عقل مند کے لئے اس بات کا سمجھنا مشکل نہیں ہے اور ہم نے تسکین الصدور میں باحوالہ یہ بحث بھی کی ہے کہ جس طرح نیند میں مستغرق آدمی کے روح کا بدن سے بدستور تعلق ہوتا ہے اور وہ خواب میں نماز پڑھتا، اٹھتا، بیٹھتا، چلتا، پھرتا، کھاتا، پیتا اور اچھلتا کودتا ہے اور دشمن سے لڑتا جھگڑتا بھی ہے اور جماع کی لذت سے بھی لطف اندوز ہوتا ہے لیکن بیدار شخص کو وہ بالکل ساکن نظر آتا ہے۔ نہ تو وہ نماز پڑھتا دکھائی دیتا ہے اور نہ دوڑتا نظر آتا ہے لیکن خواب میں یہ ساری کارروائی روح اور بدن دونوں کی مشارکت سے ہوتی ہے۔ الغرض! آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زندگی بایں معنی دنیوی بھی ہے کہ روح مبارک کا دنیوی بدن سے تعلق ہے اور برزخی بھی ہے کہ یہ زندگی برزخ میں ہے۔ مشہور عالم حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دام مجدہم حیات دنیویہ کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ وہ حیات دنیا کی سی ہے۔ یعنی مع الجسد صرف برزخی روحانی نہیں جو تمام مومنین کو بھی حاصل ہے جن کے اجسام مٹی ہو چکے ہیں۔" (حاشیہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ماہ نومبر ودسمبر ۱۹۵۹ء ص ۳۹)

جب جناب قاضی صاحب عامۃ الناس کے لئے قبر میں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ارواح کا ابدان عنصریہ سے تعلق ہوتا ہے۔ گو وہ ذرہ ذرہ ہی کیوں نہ ہو جائیں تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے اس کے تسلیم کرنے میں کیا مانع ہے۔ جب کہ احادیث صحیحہ صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ابدان مبارکہ قبور میں بالکل صحیح وسالم رہتے ہیں اور تکوینی طور پر زمین پر حرام ہے کہ وہ ان کے اجسام مبارکہ کو کھائے اور ضائع کرے تو ان اجسام دنیویہ کے ساتھ ان کے ارواح طیبات کا تعلق کون سا دقیق نظری مسئلہ ہے جس کے لئے آپ کسی ثالث منصف کے پاس مقدمہ لے جانے کی دعوت دیتے ہیں اور کبھی مناظرہ اور مباہلہ کے لفظ سے رعب ڈالتے ہیں اور خود عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کے بھی قائل ہیں۔ (تسکین القلوب ص ۱۰۵)

لہٰذا ہم مؤدبانہ عرض کرتے ہیں کہ جناب قاضی صاحب پہلے تو محترم جناب قاضی شمس الدین صاحب مجاہد

پورہ گوجرانوالہ سے مناظرہ کرلیں کہ وہ آپ کی روح مبارک کا جسم عنصری سے تعلق مانتے ہیں یا نہیں؟ اور عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کے قائل ہیں یا نہیں؟ اگر قائل ہیں تو ہمارا دعویٰ ثابت ہے۔ اگر نہیں قائل تو پہلے ان سے مناظرہ پھر مباہلہ کرلیں۔ جو نتیجہ نکلے گا ہم ان شاء اللہ العزیز! اس سے اتفاق کریں گے۔ بات کو گڈمڈ کر دینا اور مابہ النزاع کو نہ سمجھنا یا نہ سمجھنے دینا علماء کی شان سے کوسوں دور ہے۔ آپ ہمارے بزرگ اور قابل احترام ہیں ٹھنڈے دل سے ان باتوں پر غور کریں۔ البتہ اگر کوئی شخص قبر شریف میں آپ کی روح مبارک کا اس بدن اطہر سے جو دنیا میں تھا تعلق نہیں مانتا اور عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کا قائل نہیں تو جب اور جہاں چاہے ہم مباہلہ کے لئے تیار ہیں۔

عجیب تماشا

جناب قاضی صاحب مصنف المہند اور اس کے جملہ مصدقین حضرات جو اکابر علماء دیوبند میں شامل ہیں اور تسکین الصدور کے پاک وہند کے مصدقین حضرات پر تو اعتماد کرنے پر آمادہ نہیں اور علماء دیوبند کی طرف مراجعت کی تلقین کرتے اور دعوت دیتے ہیں۔ نہ معلوم ان حضرات کے علاوہ علماء دیوبند اور کون ہیں اور وہ کہاں سے آئیں گے؟ کیا یہ جملہ حضرات اس کا مصداق نہیں ہیں:

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

فیصلہ تو ہو چکا ہے پھر آپ کیوں گریز کرتے ہیں؟

اہل علم اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ جب خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ میں جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے حیات النبی ﷺ کے انکار کا دھماکہ کیا تھا اور پھر یہ مسئلہ چلا اور اس پر اختلاف کھل کر سامنے آگیا تو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس سلسلہ میں ایک مصالحانہ فیصلہ صادر فرمایا تھا جس کے الفاظ یہ ہیں: ''وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔'' (ملاحظہ تسکین الصدور ص ۳۹)

اور اس فیصلہ پر فریقین کے قابل اعتماد اور چوٹی کے حضرات کے دستخط ثبت ہیں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمہ اللہ، حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب رحمہ اللہ قلعہ دیدار سنگھ، حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ اور خود حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کے دستخط۔ اب جناب قاضی صاحب ہی از راہ انصاف فرمائیں کہ حضرات دیوبند کے اکابر کے یہ فیصلے آپ کے ہاں قابل اعتماد ہیں؟ اگر ہیں تو آمنا وصدقنا فیصلوں پر عمل کریں اور اگر یہ فیصلے قابل اعتماد نہیں تو عوام کو مغالطہ میں مبتلاء کرنے کے لئے علماء دیوبند کی طرف مراجعت کرنے اور ان کے فیصلوں کی طرف دعوت دینے کا عذر لنگ بالکل بےکار ہے اور ہاتھی کے دانتوں کے بغیر اس دعوت کی اور کوئی حیثیت نہیں ہے کہ کھانے کے اور دکھانے کے اور۔

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے فتویٰ سے دھوکا دہی

بعض سطحی قسم کے لوگ حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے ایک مجمل جواب اور فتویٰ سے مغالطہ کھاتے اور دیتے ہیں۔ وہ یہ ہے:

سوال: انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں یا نہیں؟

جواب: انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں مگر ان کی زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی اور تمام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے۔ اسی طرح شہداء کی زندگی بھی برزخی ہے اور انبیاء کی زندگی سے نچلے درجے کی ہے۔ دنیا کے اعتبار سے وہ سب اموات میں داخل ہیں۔ انک میت وانھم میتون اس کی صریح دلیل ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ (کفایت المفتی ج ۱ ص ۶۸)

اس عبارت میں ''مگر ان کی زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی'' سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ دنیوی زندگی کی طرح تکلیفی زندگی نہیں اور دنیوی کھانے پینے اور دیگر لوازمات دنیویہ کی محتاج نہیں اور دوسروں کو وہ زندگی محسوس نہیں ہوتی تو بجا ہے۔ جمہور بھی اسی کے قائل ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ قبر شریف میں آپ کی روح مبارک کا جسد اطہر سے کوئی تعلق نہیں اور آپ عندالقبر پیش کئے گئے صلوٰۃ وسلام کو نہیں سنتے اور نہ جواب دیتے ہیں تو یہ قطعاً باطل اور سراسر مردود ہے۔ خود حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا مفصل جواب ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں حیات روح اطہر کے جسم شریف کے ساتھ تعلق اور وابستگی سے مانتے ہیں اور اس کو وہ اہلسنت والجماعت کا مذہب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک سوال جواب ملاحظہ ہو۔

سوال: مولود میں لفظ یارسول اللہ، السلام علیک، یا حبیب سلام علیک پکار کر کہنا اس غرض سے کہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک محفل میلاد میں آتی ہے۔ لہٰذا برائے تعظیم کھڑے ہو کر لفظ مذکور کو پکار کر کہتے ہیں آیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب: صلوٰۃ وسلام کے ساتھ یا رسول دیا حبیب نداء کے الفاظ سے پکارنا اس خیال سے کہ صلوٰۃ وسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں کے ذریعہ پہنچادیا جاتا ہے اور آپ تک ہماری ندا اور خطاب پہنچ جاتا ہے جائز اور درست ہے۔ کیونکہ بعض روایات معتبرہ سے ثابت ہے کہ باری تعالیٰ وتقدس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر ایک فرشتہ مقرر فرمادیا ہے کہ اس کو ایسی قوت سامعہ عطاء فرمائی ہے کہ وہ تمام مخلوق کے صلوٰۃ وسلام سن کر حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کردیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں: ''قال النواب صدیق حسن خان البوفالی فی نزل الابرار فی بیان فوائد الصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنہا قیام ملک علٰی قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطاہ اسماع الخلائق یبلغہ ایھا کما فی حدیث واثق ابن حبان رواتہ ووردت احادیث بمعناہ ثانیۃ (والصحیح ثابتۃ۔ صفدر) وللہ الحمد ومنہا انہا سبب لرد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المصلی والمسلّم علیہ کما ورد بسند حسن بل صححہ النووی فی الاذکار وغیرہ انتھی ملتقطاً''

نواب صدیق حسن خان بھوپالی رحمہ اللہ اپنی کتاب نزل الابرار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کے فوائد کے بیان میں فرماتے ہیں کہ ان فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کی قبر مبارک پر ایک فرشتہ کھڑا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے کان عطاء فرمائے ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک صلوٰۃ وسلام پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے جس کی روات کی ابن حبان رحمہ اللہ نے توثیق کی ہے اور صحیح احادیث اور بھی اس مضمون کی ہیں۔ وللہ الحمد!

اور ایک فائدہ یہ ہے کہ جب کوئی آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو آپ ﷺ اس کا جواب دیتے ہیں (اور صلوٰۃ وسلام پڑھنا آپ کے رد جواب کا سبب ہے) جیسا کہ حسن سند سے حدیث آئی ہے بلکہ امام نووی ﷫ (وغیرہ) نے کتاب الاذکار میں اس کی تصحیح کی ہے۔

ہاں! اس خیال اور اعتقاد سے نداء کرنا کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک مجلس مولود میں آتی ہے۔ اس کا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں اور کئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے۔ اوّل یہ کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے تو پھر آپ کی روح مبارک کا مجالس میلاد میں آنا بدن سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقے سے؟ اگر مفارقت کر کے مانا جائے تو آپ کا قبر مطہر میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے یا کم از کم زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے تو یہ صورت علاوہ اس کے کہ بے ثبوت ہے، باعث توہین ہے، نہ کہ موجب تعظیم اور اگر مفارقت نہیں ہوتی تو پھر ہر مجلس مولود میں آپ ﷺ کی موجودگی بدن اور روح کے ساتھ ہوتی ہے یا محض بطور کشف وعلم کے؟ پہلی صورت بداہۃً باطل ہے اور دوسری صورت بے ثبوت اور بعض اعتبار سے موجب شرک ہے کہ آن واحد میں مجالس کثیرہ کا علم ہونا، اس طرح کہ گویا آپ ﷺ حاضر وناظر ہیں۔ یہ خاصۂ ذات احدیت ہے۔ آنحضرت ﷺ کو ہر جگہ حاضر وناظر سمجھنا شرک ہے۔

رہی مجلس میلاد تو اس کا حکم یہ ہے کہ نفس ذکر ولایت ومعجزات واقوال وافعال وواقعات آنحضرت ﷺ جائز بلکہ محبوب ومستحسن ہے لیکن قیود مروجہ اور ہیأت مخصوصہ جو آج کل اکثر مجالس مروجہ میں پائی جاتی ہیں۔ بدعت وبے اصل ہیں۔ ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا بالکل بے اصل ہے، شریعت مقدسہ میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ نہ قرون ثلاثہ میں اس کا وجود تھا نہ کوئی دلیل اس کے جواز پر دال ہے۔ انتہی بلفظہٖ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

(کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۵۹ تا ۱۶۱)

اس مفصل جواب اور فتویٰ سے چند امور واضح طور پر ثابت ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱...... آنحضرت ﷺ قبر مبارک پر پیش کئے گئے صلوٰۃ وسلام کو سنتے ہیں۔

۲...... اور ان کی نقل اور تحقیق سے (جب کہ دوسرے حضرات کی تحقیق سے دور دراز سے پیش کئے گئے سلام کو صحیح حدیث: ''ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام'' (نسائی ج ۱ ص ۱۴۳ ومستدرک ج ۲ ص ۴۲۱) وغیرہ فرشتے پہنچاتے ہیں) اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کے روایت کی توثیق محدث ابن حبان ﷫ کرتے ہیں اور دیگر احادیث ثابتہ اس کی مؤید ہیں۔

۳...... آپ اس پیش کئے گئے صلوٰۃ وسلام کا قبر مبارک سے جواب بھی دیتے ہیں۔

۴...... اور اس کا حسن اور صحیح روایت سے ثبوت ہے (اس کی مفصل بحث تسکین الصدور میں ملاحظہ فرمائیں)

۵...... آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک میں زندگی اور حیات اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

۶...... اور یہ حیات بدن اطہر کے ساتھ روح مبارک کی وابستگی کے ساتھ ہے۔

۷...... اگر روح مبارک کو اس بدن مبارک سے جو قبر شریف میں مدفون ہے جدا اور الگ تسلیم کیا جائے تو قبر مبارک میں زندہ ہونا باطل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ قبر میں آپ کی زندگی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

۸...... اور قبر مبارک میں آپ کے جسد اطہر سے روح مقدس کا تعلق نہ ماننا بے ثبوت ہونے کے علاوہ باعث توہین بھی ہے۔ وغیرہ وغیرہ!

حضرت مفتی صاحب کے اس تفصیلی جواب اور فتویٰ کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ عندالقبر صلوٰۃ وسلام کے سماع اور جواب دینے کے قائل نہیں یا آپ کی قبر مبارک میں حیات صرف بایں طور برزخی مانتے ہیں کہ جسم اطہر سے روح مبارک کا کوئی تعلق نہیں یا حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی حیات فی القبر کے بارے میں اہلسنت والجماعت کی تحقیق کے علاوہ کوئی اور تحقیق ہے۔ جیسا کہ مؤلف شفاء الصدور ونداء حق اور مؤلف اقامۃ البرہان وغیرہ حضرات غلط تاثر دینے کے درپے ہیں قطعاً باطل ہے اور اس قابل ہے کہ: ''اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں۔''

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے عام اموات کے سماع کے مسئلہ کو اختلافی قرار دیا ہے۔ (اور نفس الامر میں ہے بھی ایسا ہی) چنانچہ ان سے یہ سوال ہوا کہ سماع موتی محققین علماء کے نزدیک ثابت ہے یا نہیں؟

مفتی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱۹۵) جواب: مسئلہ سماعت موتی قرون اولیٰ سے مختلف فیہ چلا آتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس میں اختلاف تھا۔ قرن صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد بھی ہمیشہ علماء اس میں مختلف رہے۔ اکثر صوفیہ سماع موتی کے قائل ہیں لیکن علماء حنفیہ کے نزدیک ثابت نہیں۔ ہاں! میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس قدر حیات اس میں ڈالی جاتی ہے کہ وہ آرام یا تکلیف محسوس کر سکے۔ قال الشامی (ج ۲ ص ۱۳۴) ''ولا یرد تعذیب المیت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیوۃ عندالعامۃ بقدر ما یحس بالالم والبنیۃ لیست بشرط عند اھل السنۃ بل تجعل الحیاۃ فی تلک الاجزاء المتفرقۃ التی لا یدرکہ البصر'' (کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۹۶)

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عندالقبر صلوٰۃ وسلام کے سماع اور سلام کے جواب دینے میں کسی کا کوئی اختلاف ذکر نہیں کرتے نہ تو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کا اور نہ ہی حضرات صوفیاء عظام رحمہم اللہ وغیرہم کا، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ کسی کے نزدیک بھی اختلافی نہیں بلکہ سب کا اتفاقی ہے۔

محترم جناب سجاد صاحب کی زیادتی

قارئین کرام بحوالہ پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ پڑھ چکے ہیں کہ عام اموات کے سماع اور عدم سماع میں قرن اوّل سے تاہنوز اختلاف چلا آرہا ہے لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام کے عندالقبر سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عندالقبر صلوٰۃ وسلام کا سماع اور رد جواب ایک اتفاقی امر ہے جس کا ثبوت متعدد صحیح احادیث سے ہے جن میں سے ایک یہ ہے: ''من صلی عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ من بعید اعلمتہ'' (جلاء الافہام ص ۱۹) بروایت ابوالشیخ رحمہ اللہ نہ کہ بطریق محمد بن مروان سدی الصغیر الکذاب جس کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، علامہ سخاوی رحمہ اللہ، ملا علی القاری رحمہ اللہ اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ وغیرہم حضرات بسند جید فرما کر اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ حوالے ہم نے تسکین الصدور میں دے دیئے ہیں اور خود (ماہنامہ تعلیم القرآن ص ۴۸ ماہ اکتوبر ۱۹۶۸ء)

میں ابوالشیخ کی سند کو بسند جید سے نقل کیا ہے اور پوری امت کا اس پر تعامل اور توارث ہے کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔لیکن محترم جناب مولانا احمد حسین شاہ صاحب سجاد بخاری مختصر فوائد از رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ میں لکھتے ہیں کہ:''باقی رہا روح اور بدن کا تعلق تو یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں محض قیاسی بات ہے۔(تعاد الروح فی جسدہ کی حدیث جمہور امت کے نزدیک صحیح ہے۔حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور علامہ ابن القیم رحمہ اللہ وغیرہ تمام اس کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔بحث تسکین الصدور میں ملاحظہ کریں اور روح کا بدن سے تعلق حضرات فقہاء و متکلمین رحمہم اللہ حتیٰ کہ جناب مولانا قاضی شمس الدین صاحب تک کو مسلم ہے۔خود محترم جناب سجاد صاحب صحیح حدیث اور جمہور اہل اسلام کے مقابلہ میں قیاس فاسد اور الکل پچو بات سے کام لے رہے ہیں۔صفدر) یہی تحقیق جو لکھائی گئی ہے بعینہٖ نبی کریم ﷺ کے بارے میں ہے کہ روح مبارک کا بدن اطہر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔نعوذ باللہ تعالیٰ من ھذا الھذیان! صفدر) اور جو حدیثوں میں آتا ہے کہ اگر کوئی قبر پر مجھے سلام دے تو میں خود سنتا ہوں اور اگر درود سے سلام بھیجے تو فرشتے پہنچاتے ہیں۔یہ احادیث ضعیفہ ہیں۔'' (ص ۵۳۲)

حافظ ابن حجر، علامہ سخاوی، ملا علی قاری اور مولانا عثمانی وغیرہم معتبر محدثین کرام (رحمہم اللہ) تو ابوالشیخ کی سند کو جید کہتے ہیں۔مگر جناب سجاد صاحب اس مضمون کی سب احادیث کو احادیث ضعیفہ کہتے ہیں جس کا جواب یہاں اتنا ہی کافی ہے۔لاحول ولا قوۃ الا باللہ! پوری بحث تسکین الصدور میں دیکھیں۔

واقعہ

یہ عنوان قائم کرکے قاضی صاحب موصوف لکھتے ہیں، صد سالہ اجلاس میں تقریباً تیس لاکھ آدمی کے سامنے سٹیج پر پگڑی احقر کو اور چند دوسرے حضرات کو (جن میں مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا منت اللہ صاحب، مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک اور مولانا اسعد صاحب مدنی وغیرہ شامل تھے) بندھائی۔ان سے کہا جاکر دارالاہتمام سے پگڑیاں لے لو۔اس کے بعد ان لوگوں نے مہم چلائی ہوئی ہے کہ یہ دیوبندی نہیں۔ضد اور ہٹ دھرمی کی انتہاء ہوگئی۔محترم موصوف سے مؤدبانہ عرض ہے کہ آپ پوری سنجیدگی اور دیانت سے حالات کا مطالعہ کریں کہ آپ کی جماعت کی اکثریت ایک مدت سے اہل بدعت اور مشرکین کو کچھ نہیں کہتی اور ہمارے پیچھے کمر بستہ ہاتھ دھو کر لگے ہوئے ہیں اور تو اور شاید آپ کو معلوم نہ ہو آپ کے حواریین نصرۃ العلوم والے مسجد لانگریاں والی جس میں احقر ۳۵ برس سے درس دیتا ہے پندرہ سال سے ایک مہم چلا رہے ہیں کہ اس پر بھی قبضہ کرلیں۔'' (ص ۲۹)

الجواب: معلوم نہیں کہ موصوف کا ''ان سے جاکر دارالاہتمام سے پگڑیاں لے لو'' سے اشارہ کس کی طرف ہے؟ غالباً سواتی برادران ہی کی طرف اشارہ ہے۔کیونکہ آگے نصرۃ العلوم کا تذکرہ آرہا ہے۔اگر موصوف کی یہی مراد ہے تو یہ اس پیرانہ سالی میں غلط بیانی کی بدترین مثال ہے۔کیونکہ مجمع لاکھوں کا تھا اور پگڑیاں ہزاروں کو ملنا تھیں۔اس کارروائی کا افتتاح محترم قاری محمد طیب صاحب اور مولانا محمد منت اللہ صاحب کی دستار بندی سے ہوا اور پھر مولانا عبدالحق صاحب اور بعد میں آپ کا نمبر آیا۔چونکہ ہزاروں لوگوں کو دستار بندی کرانا بہت ہی مشکل تھا کچھ حضرات کو سٹیج پر اور باقی حضرات کو سٹیج سے نیچے پگڑیاں ہاتھوں میں دی گئیں اور بحمد اللہ تعالیٰ سواتی برادران سٹیج پر ہی

تھے اور براہ راست سٹیج پر پگڑیاں ملیں۔ ہم سے یہ نہیں کہا گیا کہ جاؤ دارالاہتمام سے پگڑیاں لے لو۔ لیکن گستاخی معاف صرف پگڑی اور سند ملنے سے ہی آدمی دیوبندی مسلک کا پیرو تو نہیں ہو جاتا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ بعض غیر مقلدین حضرات دیوبند کی سند لئے پھرتے ہیں۔ مولوی محمد بشیر صاحب گوجرانوالوی قبرستانی اور مولوی منظور الحق صاحب وڈالہ سندھواں ضلع سیالکوٹ وغیرہ بھی دیوبند کے سند یافتہ تھے لیکن ساری زندگی بدعات کی ترویج میں انہوں نے گزار دی۔ آپ کے دیوبندی مسلک ترک کرنے کا اس لئے لوگوں کو شبہ ہے کہ آپ المہند میں درج شدہ دیوبندی مسلک کی ترجمان عبارت کو کھلے بندوں تسلیم نہیں کرتے اور صاف فرماتے ہیں کہ ہمیں کوئی دیوبندی کہے یا نہ کہے ہمیں کوئی پروا نہیں۔ انصاف سے فرمائیں آپ کی اس تصریح کے بعد صرف دستار بندی سے آپ کی دیوبندیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟ اور از راہ انصاف فرمائیں کہ دیوبندی مسلک سے ضد اور ہٹ دھرمی کس کو ہے؟ کیونکہ، ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

باقی آپ کا یہ ارشاد کہ ہماری جماعت کی اکثریت مدت سے اہل بدعت اور مشرکین کو کچھ نہیں کہتی اور ہاتھ دھو کر آپ کے پیچھے ہی پڑی ہوئی ہے تو اس عبارت میں آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ جماعت کی اقلیت ہی سہی۔ اہل بدعت و مشرکین کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ ان میں بفضلہٖ تعالیٰ سواتی برادران بھی ہیں۔ لہٰذا ان سے یہ شکوہ تو بے سود ہے۔ لیکن گزارش ہے کہ آپ کی جماعت کے صدر محترم نے اختلاف رونما ہونے کے بعد ۱۳۷۴ھ سے آج تک کیا اپنی رٹ چھوڑی ہے اور کسی تقریر میں بھی عدم سماع کے مسئلہ کو نظر انداز کیا ہے؟ اور اسی طرح آپ کی جماعت کے دیگر افراد نے ملک کے بعض مقامات میں اس مسئلہ کے علاوہ کوئی اور مسئلہ بیان کرنے کی زحمت گوارا کی ہے؟

محترم! آپ بزرگ ہیں تصویر کے دونوں رخ سامنے رکھنے چاہئیں۔ تالی ہمیشہ دو ہاتھ سے بجتی ہے صرف ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ رہا آپ کا مسجد لنگریاں والی پر قبضہ کا شوشہ تو یہ بھی سوء ظن کی بدترین مثال ہے۔ کیونکہ ہم تو غیر اوقاف کی مساجد پر قبضہ جاری رکھنے سے بھی عاجز ہیں۔ چہ جائیکہ اوقاف کی مسجد پر قبضہ کریں۔ راقم اثیم کو گکھڑ کی مسجد اور نصرۃ العلوم کے اسباق اور گورنمنٹ کالج گکھڑ کے درس ہی سے فرصت نہیں ملتی اور صوفی عبدالحمید مسجد نور کی خطابت درس و تدریس اور دیگر اہتمام کے مشاغل سے فارغ نہیں ہو سکتا تو آپ کے درس پر قبضہ کرنے کا کیا معنی؟ پھر آپ عرصہ تک ہمارے ساتھ رہے۔ مزاج سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ ہم شرارت پسند نہیں ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ بزرگوں کے ادب و احترام کو بھی بخوبی جانتے ہیں اور آپ کی ہر غمی اور خوشی میں شریک ہوتے رہے ہیں۔ جیسے آپ نے اپنے فرزند مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم کی تجہیز و تکفین اور جنازہ میں ہماری شرکت کا خود ہی ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح آپ کو اپنے عزیز اور عزیزہ کی شادی میں شرکت کا بھی ذکر کرنا چاہئے تھا۔ آپ کے دعوت نامہ پر ہم حسب توفیق شامل ہوئے اور نیز آپ کے حکم سے اور محترم جناب مولانا قاضی محمد عصمت اللہ صاحب دام مجدہم کے ارشاد سے راقم اثیم ہی نے ان کی والدہ ماجدہ مرحومہ کا قلعہ دیدار سنگھ میں جنازہ پڑھایا تھا۔ حالاں کہ آپ دونوں بزرگ عالم بھی تھے اور ولی بھی تھے لیکن جنازہ پڑھانے کا اعزاز آپ نے راقم اثیم کو دیا اور آپ کو یاد ہوگا کہ جب میں آگے کھڑا ہوا تو پیچھے سے آوازیں بلند ہوئیں کہ شاہ صاحب گجراتی تشریف لے آئے ہیں لیکن آپ

دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ جنازہ تم ہی پڑھاؤ گے تو جنازہ میں نے ہی پڑھایا تھا۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ ہم اور آپ میں گہرے روابط ہیں۔ صرف آپ سے مؤدبانہ التجاء ہے کہ آپ غلط کار مشیروں اور تنگ دل حواریوں کے کہے لگ کر ہمارے خلاف دل میں جذبات نہ رکھیں۔ ہم آپ کے خادم ہیں:

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی　　یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

اس لئے یہ خیال ہی دل سے نکال دیں کہ مسجد لانگریاں والی میں آپ کے جاری درس پر ہم قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عمر نوح عطا فرمائے۔ تاکہ آپ اپنا درس جاری رکھ سکیں اور ان حضرات کے مالی تعاون سے مدرسہ جامعہ صدیقیہ کو چار چاند لگا سکیں۔

فیوضات حسینی

ہمارے پیرومرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ نے تصوف کے مضمون پر ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام فیوضات حسینی ہے (الملقب بہ تحفہ ابراہیمیہ) اس کا اردو ترجمہ افادہ عوام کے لئے عزیزم صوفی عبدالحمید فاضل دیوبند مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے کیا ہے۔ راقم اثیم نہ تو اس کتاب کا مصنف ہے اور نہ مترجم ہے لیکن جناب قاضی شمس الدین صاحب لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے آپ نے ایک کتاب لکھی اور نام رکھا فیوضات حسینی۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس ساری کمپنی کو کتاب کا نام لکھنا بھی نہیں آیا۔ (بلفظہ ص ۴) اور دوسرے مقام پر لکھا کہ مولانا موصوف ابوالزاہد سرفراز صاحب مصنف فیوضات حسینی۔'' (ص ۱۳)

الجواب: ہم نے جناب قاضی صاحب کے اعتراض کا جواب (تسکین الصدور ص ۵۰) میں مفصل دے دیا ہے۔ اس جواب کو اسی میں ملاحظہ کریں۔ یہاں صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ فیوضات حسینی کے مصنف حضرت مولانا حسین علی صاحب ہیں اور یہ کتاب اسی نام سے ان کی زندگی میں طبع ہوئی تھی اور یہ نام انہی کا رکھا ہوا ہے اور ہماری کمپنی کے منیجر حضرت مرحوم ہیں اور اس کا مترجم راقم اثیم نہیں بلکہ عزیزم صوفی عبدالحمید ہے۔ راقم اثیم کو اس کا مصنف قرار دینا بالکل خلاف واقعہ ہے۔ فارسی اور اردو میں موصوف اور صفت کی مطابقت کا خاص اہتمام نہیں کیا جاتا اور اس کی متعدد مثالیں ہم نے عرض کردی ہیں اور خود جناب قاضی صاحب نے حیات برزخی اور حیات دنیوی کے جملے اپنی تحریر میں استعمال کئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تعلیم القرآن مئی ۱۹۵۹ء ص ۱۶)

لہٰذا اس کمپنی کے ایک فرد اور رکن آپ خود بھی ہیں اور اس جرم میں برابر کے شریک ہیں:

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

عجیب بات ہے کہ جناب قاضی صاحب کو موصوف اور صفت میں مطابقت ملحوظ نہ رکھنے کا اعتراض تو ازبر ہے لیکن حضرت مرحوم کا رکھا ہوا نام بدل کر محض سینہ زوری سے اس کا نام افادات حسینیہ رکھ دینا اور اصل کتاب کے آخر سے مختلف سلاسل کے شجرے جو بحرمت فلاں الخ کے الفاظ سے درج تھے سب کا حذف کردینا تاکہ منکر توسل جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب امیر اشاعت التوحید والسنۃ پر کوئی زد نہ پڑے یاد نہیں۔ محترم! کسی مصنف کی کتاب کا نام بدل ڈالنا اور اس کچھ حصہ حذف کردینا یہ کون سی دیانت ہے؟ خدارا بتائیں کہ بات کیا ہے؟ لیکن: جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

لفظ ابی الزاہد پر اعتراض

اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ علم، کنیت اور لقب میں فرق ہے۔ علم وہ خاص نام ہے جس سے آدمی مشہور ہوتا ہے۔ (فرہنگ آصفیہ ج ۳ ص ۲۸۱)

اور یہ خاص نام والدین یا کوئی اور بزرگ سنت کے مطابق ولادت کے دن یا ساتویں دن رکھتے ہیں اور کنیت وہ نام اب یا ام یا ابن یا بنت کے نام سے بولا جائے۔ (ایضاً ج ۳ ص ۵۷۸) اور لقب وہ نام جس میں موسوم کی مدح یا ذم ہو یا وہ وصفی نام جو کسی خاص صفت یا عزت وغیرہ کے سبب پڑ گیا ہو۔ (ایضاً ج ۴ ص ۱۹۴) لیکن جناب قاضی صاحب نے اعتراض کے شوق میں کنیت کو علم بنا کر اعتراض جڑ دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: ''اب آپ نے اپنا نام (کنیت) ابوالزاہد لکھی۔ جناب زاہد علم (نام) ہے اور اعلام پر الف لام داخل کرنا غیر مستحسن اور قبیح ہوتا ہے اور بے فائدہ اس کا ذکر اور عدم ذکر برابر ہوتا ہے۔ پھر آگے نحوی قاعدہ کا حوالہ نقل کرتے ہیں کہ بعض اعلام میں الف لام داخل ہیں۔ الفضل والحارث والنعمان فذکرذا وحذفہ سیان یعنی ان کا حذف اور ذکر دونوں برابر ہیں۔ (ص ۴) اور (ص ۵۷) میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''اصطلاح میں تفرد اس کو کہتے ہیں جو مسائل میں ہو جیسے آپ کا اسم گرامی ابوالزاہد نہ دلائل میں۔''

الجواب: جناب قاضی صاحب کی پرانی عادت ہے کہ دوسروں کو بلا وجہ مرعوب کرنے کے لئے کسی عبارت کا کوئی چٹکلہ چھوڑ دیتے ہیں اور پھر جذبات کے تیز رو گھوڑے پر سوار ہو کر خوب زیر کرتے اور لتاڑتے ہیں اور اصل حقیقت کی طرف خود توجہ نہیں فرماتے۔ یہاں بھی انہوں نے ایسا ہی کیا ہے جس کی کوئی وقعت نہیں۔

اوّلاً: اس لئے کہ جب نحوی طور پر اعلام پر الف لام کا لانا اور نہ لانا دونوں پہلو برابر ہیں تو اگر کسی نے ایک مساوی پہلو کو اختیار کر لیا تو اس پر واویلا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

ثانیاً: علم اور کنیت کو گڈمڈ کر دینا علمی طور پر کون سی مستحسن بات ہے؟ راقم اثیم کا نام محمد سرفراز ہے جو والد مرحوم یا بڑے بزرگوں نے رکھا ہے اور تقریباً ۳۵ سال کے بعد جب بڑا لڑکا محمد عبدالمتین خان زاہد پیدا ہوا تو اس کے لقب زاہد کی وجہ سے راقم نے ابوالزاہد کنیت رکھی اور القاب پر الف لام سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ الحذاء، الضریر، الاعمش، الاعرج، القصیر اور الطویل وغیرہ کے القاب جو کتب حدیث میں آتے رہتے ہیں۔ ہرگز آپ سے مخفی نہ ہوں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ بہ نسبت نام وعلم کے کنیت اور تخلص وغیرہ سے زیادہ مشہور ہوتے ہیں جیسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ ان کا نام عبد عمرو یا عبدالرحمن بن صخر وغیرہ تھا اور ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کہ ان کا نام احمد تھا مگر شہرت کنیت اور تخلص سے زیادہ ہے۔

ثالثاً: کتب حدیث میں سینکڑوں علم ایسے موجود ہیں جن پر الف لام داخل ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۲) میں ان الحارث بن ہشام وعروۃ ابن الزبیر اور (ج ۱ ص ۴) میں ابوالیمان الحکم بن نافع کی سند سے، خدا معلوم جناب قاضی صاحب کتنی دفعہ بخاری شریف پڑھا چکے ہیں مگر نہ تو انہوں نے اس کے خلاف قلم اٹھایا اور نہ تلامذہ کو اس غیر مستحسن اور قبیح اور بے فائدہ کارروائی پر آگاہ کیا ہے۔ دیگر کتب صحاح کا تو ذکر ہی چھوڑیئے۔ بخاری اور مسلم میں سینکڑوں

اعلام پر الف لام آیا ہے مگر جناب قاضی صاحب نے ان مقامات کے بارے میں اپنی کسی کتاب میں کبھی بھی کچھ تحریر نہیں فرمایا اور نہ ان پر کبھی لب کشائی فرمائی ہے۔ صرف ابوالزبیر (محمد بن تدرس رحمہ اللہ) (بخاری ج ۱ ص ۹۸، ۱۷۶، ۲۳۳، ۲۹۱، ۷۵۵، ۳ وج ۲ ص ۵۹۲ وج ۲ ص ۵۹۳ میں اور مسلم ج ۲ ص ۴، ۷، ۱۱، ۱۵، ۲۷، ۳۲، ۳۸، ۵۴، ۶۵، ۱۶۶، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۲ و مسلم ج ۱ ص ۲۲۴، ۲۴۰، ۲۶۲، ۲۶۵، ۴۶۵) وغیرہ میں الف لام کے ساتھ آیا ہے۔ لیکن جناب قاضی صاحب نے اس کے خلاف کسی کتاب میں کوئی تبصرہ نہیں فرمایا، آخر کیوں؟ کیا صرف ابوالزاہد ہی ایک مسئلہ بن گیا ہے اور پھبتی اس پر فٹ آتی ہے؟ جناب قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ: ''تفرد اس کو کہتے ہیں جو مسائل میں ہو جیسے آپ کا اسم گرامی ابوالزاہد۔'' نہ معلوم ابوالزاہد کون سا مسئلہ ہے؟ اور کنیت اسم اور علم کیسے بن گئی؟ اور اسم فقہی مسئلہ کیسے بن گیا؟ مگر یہ نہ پوچھئے۔

رابعاً: جناب قاضی صاحب سے یہ بات تو مخفی نہیں ہوگی کہ ان کے استاد محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کا نام اور علم محمد انور شاہ تھا اور فتح الملہم میں جابجا قال الشیخ الانور کا جملہ موجود ہے۔ مثلاً (ج ۲ ص ۹۷، ۴ وج ۳ ص ۱۵۹) اور ہم نے کتاب (سماع موتی ص ۱۷۹) میں قال الشیخ الانور کا جملہ فتح الملہم کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ لیکن اس سے جناب قاضی صاحب کی نظر مبارک چوک گئی ہے اور مولانا عثمانی رحمہ اللہ کو اس غیر مستحسن قبیح اور بے فائدہ کارروائی پر کچھ نہیں فرمایا اور ابوالزاہد پر گرفت فرمائی ہے۔ شاید اس لئے یہ جلی حروف میں کتاب کے سرورق پر ہے۔

تناقض

جناب قاضی صاحب بزعم خویش سماع الموتی کی بعض عبارات میں تناقض ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ (باب التناقض ص ۲۶) میں لکھتے کہ: ''زائر قبر مبارک کے پاؤں کی طرف سے آئے اور سر کی طرف سے نہ آئے تاکہ دیکھنے والے کو دقت نہ ہو۔'' اور (ص ۱۸۹) میں فرماتے ہیں: ''سماع کے بغیر تمام صفات ان سے منفی ہیں۔'' اب گزارش یہ ہے کہ رؤیۃ بھی سماع کے بغیر ہے۔ یہ منفی ہے یا مثبت اگر منفی ہے تو (ص ۲۶) کی بات نہ ثابت ہوئی اور اگر مثبت ہے تو اجتماع نقیضین ہے کہ رؤیۃ سماع کے علاوہ ہونے کی وجہ سے منفی بھی ہے۔'' (بلفظہٖ ص ۴ و ۵)

الجواب: جناب قاضی صاحب نے اپنے ناخواندہ حواریوں کو جو مغالطہ دیا ہے وہ علماء اور صلحاء کی شان سے بالکل بعید ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ انہوں نے (ص ۲۶) کی پوری عبارت ہی نقل نہیں کی۔ عبارت یہ ہے کہ شفاء الصدور کے اسی صفحہ میں حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کا حوالہ دے کر اور نام لے کر انہوں نے ایک فقہی مسئلہ بیان ہے کہ زائر قبر مبارک کے پاؤں کی طرف سے آئے اور سر کی طرف سے نہ آئے تاکہ دیکھنے والے کو دقت نہ ہو۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''تو یہ اقوال حجت نہیں ہیں۔'' قاضی صاحب موصوف نے اوّل اور آخر کو اڑا کر کمر سے عبارت پکڑ لی ہے اور حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ اور علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کا نام تک نہیں لیا اور ہم نے اس قسم کی عبارات کا مطلب (سماع الموتی ص ۳۱ و ۳۲) میں قدرے تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ مگر جناب قاضی صاحب نے اس کا ذکر تک بھی نہیں کیا۔ کچھ عبارت ملاحظہ کرلیں۔

''اور حضرات فقہاء کرام کی ان عبارات میں رؤیت سے جاننا مراد ہے کہ جب کوئی زندہ شخص قبر کے پاس

آ کر سلام وکلام کرتا ہے تو مردے اس کو آواز اور لب ولہجہ سے پہچان لیتے ہیں جیسا کہ نابینا حضرات لوگوں کو آواز سے پہچانتے ہیں۔ مگر نابینا سے بھی اگر کلام کرنا ہوتا ہے تو عادۃً لوگ اس کے پیچھے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ سامنے ہی کھڑے ہوتے ہیں، گو اس کو نظر کچھ بھی نہیں آتا۔ عادت یوں ہی ہے اور متکلم کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اگر یہ بینا ہوتا تو میں اس کے سامنے ہی سے آتا۔ اب بھی ایسا ہی کروں۔ یہی حال اموات کے ساتھ کرنا چاہئے کہ اگر وہ قبر کے مضبوط پردہ کے پیچھے سے اپنی حسی آنکھوں سے دیکھتے ہوتے تو ان کے پاس آنے والے سامنے سے ہی آتے۔ اس لئے اب قبر پر سامنے ہی کی طرف سے آئیں نہ کہ پیچھے کی طرف سے اور ان کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھ کر یوں خیال اور تصور کریں کہ گویا وہ دیکھتے ہیں۔"

قارئین کرام ہی انصاف سے فرمائیں کہ ہم نے تو حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ اور علامہ شامی رحمہ اللہ وغیرہ حضرات فقہاء کرام کی عبارات میں رویت کا مطلب علم بیان کیا ہے جس کا تعلق سماع سے ہے اور حقیقی اور حسی رؤیت کی نفی کی ہے۔ پھر اس عبارت کا (ص ۱۸۹) کی عبارت سے تعارض کیسا اور اس پر باب التناقض کے قائم کرنے کا کیا معنی؟

ثانیاً: (سماع الموتی ص ۱۸۹) کی عبارت نقل کرنے میں بھی جناب قاضی صاحب نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ ہم نے (ص ۱۸۸ تا ۱۰۹) میں (فیض الباری ج ۴ ص ۹۰ و ۹۱) کی طویل عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا ہے جس میں یہ بھی ہے کہ: "اور جاننا چاہئے کہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ مردے جانتے ہیں اور لکھا ہے کہ اختلاف ان کے سماع میں ہے اور اسی طرح انہوں نے نقل کیا ہے کہ سماع کے بغیر تمام صفات ان سے منفی ہیں۔" پہلی عبارت میں رؤیت کے قائل حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ اور علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ ہیں اور اس عبارت میں سماع کے بغیر باقی تمام صفات کی نفی کرنے والے علامہ تفتازانی رحمہ اللہ ہیں۔ جب قائل ہی جدا جدا ہیں تو ان کی عبارات میں تعارض اور تناقض کا کیا مطلب؟ آپ ہمارے بزرگ ہیں آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ ناخواندہ حواریوں کے ہاتھ میں کھلونا نہ بنیں۔ اپنے مقام کو ملحوظ رکھیں اور ایسی کمزور اور کچی باتیں لکھ کر اپنی علمی ساکھ کو ضائع نہ کریں۔

کیا مردے زندوں کے بعض حالات جانتے ہیں؟

موصوف لکھتے ہیں اور (ص ۲۸) میں فرماتے ہیں: "مشہور اور مستفیض احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مردہ اپنے اہل وعیال اور دوستوں کے احوال کو جانتا ہے جو ان کو دنیا میں پیش آتے ہیں اور یہ حالات ان پر پیش کئے جاتے ہیں۔"

محترم! (مشکوۃ شریف ص ۲۵) میں تو لکھا ہے (ہم ان کے ترجمہ پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ صفدر) "اسے فرشتے کہتے ہیں سو جا عروس کی طرح جسے احب اہلہ کے سوا کوئی نہیں جگاتا۔ یہاں تک اسے اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس خواب گاہ سے اٹھائے گا۔" اور اسی (ص ۲۵) میں (ہے) جب ایک تمہارا مر جاتا ہے تو (قبر میں) صبح وشام اس کی جگہ پیش کی جاتی ہے۔ جنتی ہے تو جنت سے اور دوزخی ہے تو دوزخ سے۔ حدیث فرماتی ہے کہ وہ اس حالت میں ہوتا ہے اور آپ فرماتے ہیں جو اوپر لکھا۔ بہتر تو ہے آپ اپنا نظریہ چھوڑ کر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیں۔ (بلفظہ ص ۵)

الجواب: اس میں بھی جناب قاضی صاحب نے بالکل سطحی مغالطہ دیا ہے۔ اولاً یوں کہ (ص ۲۸) کی عبارت حافظ ابن تیمیہ ؒ کے (فتاویٰ ج ۴ ص ۲۴۶ ۴ و ۲۴۷ ۴) کا ترجمہ ہے۔ قاضی صاحب نے حافظ ابن تیمیہ ؒ اور ان کے فتاویٰ کا نام تک نہیں لیا جو علمی خیانت ہے۔

ثانیاً: ہم نے (سماع الموتی ص ۳۱۷، ۳۱۸) میں باحوالہ متعدد احادیث عرض اعمال علی المیت کی عرض کی ہیں اور قاضی صاحب نے ان کا بھی ذکر تک نہیں کیا اور انہی احادیث کو حافظ ابن تیمیہ ؒ مشہور اور مستفیض احادیث کہتے ہیں۔ مگر قاضی صاحب ہمیں یہ وعظ فرمارہے ہیں کہ بہتر تو یہ ہے کہ آپ اپنا نظریہ چھوڑ کر حدیث رسول اللہ ﷺ کو مان لیں۔ کیا خوب، محترم! ہمارا نظریہ حدیث پر مبنی نہیں بلکہ مشہور اور مستفیض احادیث پر مبنی ہے۔ آپ ہمیں حدیث ماننے کا کیا سبق سنارہے ہیں۔ خود مشہور احادیث کو ترک کرنے کے وبال سے ڈریں۔

ثالثاً: جناب قاضی صاحب مشکوٰۃ شریف کی جس حدیث رسول اللہ ﷺ کا سبق اور درس ہمیں سنارہے ہیں، اس میں عرض اعمال اور مردوں کے اپنے زندہ اقارب کے بعض اعمال سے باخبر ہونے کی نفی کا اشارہ تک بھی موجود نہیں ہے جو کچھ اس حدیث میں ہے۔ علی الرأس والعین ہم اس کو یقیناً مانتے ہیں اور آپ کی تلقین کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پردہ کرنا

جناب قاضی صاحب لکھتے ہیں: اور (۲۹). میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن کئے جانے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پردہ کرکے اندر جاتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ پہلے تو میرے والد اور خاوند تھے اور بہرحال حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اجنبی ہیں۔ ان کی مراد یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو دیکھتے ہیں۔" سبحان اللہ! وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جوان کو دوگز مٹی سے دیکھ سکتا تھا، اس چادر سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون! بریں عقل وہمت بباید گریست۔ کیا شاگردوں کو یہی پڑھایا کرتے ہیں۔

گر ہمیں مکتب وہمیں ملا — کار طفلاں تمام خواہد شد

اللہ کے بندو! اس کا تو یہ مطلب ہے کہ مردے سے وہی معاملہ کرنا چاہئے جو زندہ سے کیا جاتا ہے۔ (ص ۶۰۵)

الجواب: اس اعتراض میں بھی جناب قاضی صاحب نے وہی کچھ کہا ہے جس ان سے توقع تھی اور ہوسکتی ہے۔ ہم نے (۲۹) میں علامہ بدرالعینی حنفی ؒ کے مختصر الفتاویٰ المصریۃ کی ایک عبارت نقل کی ہے جس کا ایک حصہ لے کر جناب قاضی صاحب نے حاشیہ آرائی کی اور مکتب وملا اور اطفال کو اجاڑنے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ ان کا علمی فریضہ تھا کہ وہ علامہ بعلی ؒ اور ان کے فتاویٰ کا حوالہ دیتے تاکہ اس ملا کو بھی آپ کی شیرینی اور خوردہ کا کچھ لذیذ حصہ مل جاتا۔ مگر انہوں نے اپنے شاگردوں اور حواریوں کے سامنے صرف ابوالزاہد بیچارے ہی کو نیچا دکھانا ہے اور بس تو اور کسی کے نام لینے کی کیا ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں ہم نے (۳۲) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا واضح مطلب بیان کیا ہے اور وہی شاگردوں کو بھی پڑھایا کرتے ہیں۔ مگر قاضی صاحب نے اس مطلب کا ذکر تک کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ ہم نے لکھا ہے کہ اس کو ایسا ہی سمجھئے جیسا کہ کوئی متادب شاگرد اپنے استاد کے مصلیٰ یا ان کی خاص نشست گاہ پر استاد کی غیر حاضری میں بھی کھڑا ہونے اور بیٹھنے کی ہمت اور جرأت نہیں

کرتا۔ اس خیال سے کہ یہ میرے استاد کا مقام ہے کہ اگر استاد محترم موجود ہوتے تو ان کی موجودگی میں یہ جرأت نہ کرتا۔ اب بھی ان کا ادب واحترام ملحوظ رکھتا ہوں۔ ٹھیک اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بوقت زیارت کیا کرتی تھیں۔ پہلے چونکہ صرف آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی وہاں مدفون تھے تو وہ ستر کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی تھیں۔ جیسا کہ ان کی زندگی میں نہیں کرتی تھیں، بخلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہ چونکہ وہ شرعاً غیر محرم تھے۔ اس لئے جس طرح ان کی زندگی میں وہ ان کے سامنے پردے کا اہتمام کرتی تھیں۔ بعد از وفات بھی اس کو ملحوظ رکھا۔

قارئین ہی فرمائیں کہ کیا ہماری اس تفصیلی عبارت کی طرف جناب قاضی صاحب نے کوئی توجہ کی ہے اور کیا پھر اس تفصیل کے بعد ان کے اعتراض یا پھبتی اور وعظ کی کوئی ضرورت ہے۔ ہماری اس تصریح اور سابق ذکر کردہ تشریح کے بعد جناب قاضی صاحب کے اس ارشاد کا کہ جناب رؤیت سے مراد کوئی رؤیت بھی مراد ہو بصری یا علمی اگر دو گز مٹی اس سے حائل نہیں ہوتی تو یہ چادر ہرگز اس سے حائل نہیں ہوگی اور پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رؤیت علمی ہوگی تو دوسری اموات کی رؤیت بھی علمی ہوگی یا بصری ہوگی اور جب علمی ہوگی تو وہ پہلی عبارت جو آپ نے لکھی ہے کہ میت کے پاؤں کی طرف سے آوے اور سامنے کھڑا ہو کر میت کو دیکھنے میں تکلیف نہ ہو، اس کا کیا مطلب ہوگا؟ کیا رؤیت علمی میں بھی اس تکلیف کا احتمال ہے؟ احقر اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ آپ کے باب التناقض میں داخل ہے۔ (بلفظہٖ ص ٦)

جواب بالکل واضح ہوگیا ہے کہ رؤیت علمی مراد ہے اور یہ سب کے لئے ہے اور بقول علامہ تفتازانی رحمہ اللہ اس پر اجماع ہے کہ مردے جانتے ہیں اور گزر چکا ہے کہ تناقض تو ہرگز نہیں۔ ہاں! فہم کا قصور ضرور ہے۔

بریلویوں کو تحفہ

جناب قاضی صاحب لکھتے ہیں: (ص ۳۳ سے لے کر ۳۵) تک بہت سی عبارات نقل کی ہیں۔ ان کے متعلق عرض ہے کہ یہ تخیل پر محمول ہیں یا حقیقت علم پر؟ ظاہر تو یہ ہے کہ یہ تخیل پر محمول ہیں۔ جیسا کہ آپ نے خود (ص ۳۷) پس یستحضر کی تشریح میں اس کی وضاحت کی ہے اور اسے تسلیم کیا ہے اور جب تخیل پر محمول ہیں تو ان سے آپ کا مطلب ہرگز نہیں ثابت ہوتا اور اگر حقیقت پر محمول ہیں تو ان سے آپ کا مطلب ثابت ہوگا مگر ساتھ ہی یہ آپ کی طرف سے بریلویوں کو تحفہ ہوگا، وہ آپ کا شکر ادا کریں گے اور آپ کو ثواب دارین حاصل ہوگا۔ احقر کا مشورہ یہ ہے کہ آپ دوسری صورت اختیار کرلیں کہ آپ کا مطلب بھی ثابت ہوجائے اور ثواب دارین سے بھی محروم نہ ہوں ہم ثواب وہم خرما۔ (بلفظہٖ ص ٦)

الجواب: یہاں بھی جناب قاضی صاحب نے خلط مبحث سے کام لیا ہے اور بات کو گول کر گئے ہیں۔ ان عبارات میں دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر سلام کرنے والا یہ تصور اور خیال کرے کہ گویا آپ ﷺ سامنے حاضر ہیں اور گویا زائر کو دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا ادب واحترام کو ملحوظ رکھے اور یہ امر تخیل پر محمول ہے و کانہ حاضر جالس بازائک وغیرہ کے الفاظ بعض عبارات میں صراحت سے مذکور ہیں اور دوسری چیز ہے۔ عند القبر زائر کے صلوٰۃ وسلام کا سننا اور اس کا جواب دینا اور یہ حقیقت پر محمول ہے اور وسماعہ

کلامک ورَدّہ علیک سلامک کے الفاظ نمایاں طور پر موجود ہیں۔ جب دو چیزیں الگ الگ ہیں تو ان کو گڈ مڈ کر کے ایک کر دکھانا اور پھر ہم سے یہ سوال کرنا کہ یہ تخیل پر محمول ہے یا حقیقت علم پر؟ بالکل بے سود اور دور از کار بات ہے۔ کیونکہ جب دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ ایک تخیل پر محمول ہے اور دوسری حقیقت علم پر کہ زائر کا سلام سن کر آپ کو اس کے سلام و کلام کا حقیقۃً علم ہو جاتا ہے اور آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اگر اس نظریہ سے بریلویوں کو تحفہ ملتا ہے تو المہند کے مؤلف اور اس پر دستخط کرنے والے اکابر علماء دیو بند بلکہ پوری امت کی طرف سے ملتا ہے۔ لہٰذا ثواب دارین اور خرما کا مستحق صرف ابو الزاہد ہی نہیں بلکہ پوری امت اور اکابر علماء دیو بند بھی ہیں اور اس تحفہ میں بریلویوں کی کوئی تخصیص نہیں اور ان میں سے بعض عبارات سے جو کچھ بریلویوں نے سمجھا ہے اس کا رد (سماع الموتی ص ۳۷) میں ہم نے کر دیا ہے۔ اس کو وہاں ہی ملاحظہ کر لیں اور خلط مبحث سے کام نہ لیں۔

لفظ اذ ظرف ہے جو ماضی کے لئے ہوتا ہے

(سماع الموتی ص ۳۶) میں علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ کی عبارت پر گرفت کرتے جناب قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں یہ فقرہ جو ہے کہ: "کما کان یفعل بین یدیہ فی حیاتہ اذ ھو حیٌّ" میں لفظ اذ ظرف ہے جو ماضی کے لئے ہوتا ہے اور یہ ظرف متعلق ہے کما کان یفعل کے ساتھ اور معنی یہ ہے۔ جیسا کہ وہ کیا کرتا تھا جب آپ زندہ تھے۔ مگر مولانا اس کا معنی کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ زندہ ہیں۔ "ان کنت لا تدری" یہ بھی آپ کے باب التحریف میں داخل ہے۔ پھر جب یہ احساس ہوا کہ تو میں نے بریلویوں کے لئے بڑا تحفہ مہیا کر دیا تو فرماتے ہیں کہ اس عبارت سے اہل بدعت نے آنحضرت ﷺ کے لئے دلوں کے راز تک کا علم غیب ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مگر وہ بے چارے یستحضر کا مفہوم نہیں سمجھے۔ استحضار کا یہ معنی ہوتا ہے کہ اپنے ذہن اور خیال میں ایک بات کو حاضر کرے اور ذہن میں پیش نظر رکھے۔

اس کے متعلق پہلی عرض تو یہ ہے کہ اس عبارت میں وسماعہ لسلامہ بھی استحضار کے تحت داخل ہے پھر آپ کا مطلب نہیں حاصل ہوگا۔ دوسری عرض یہ ہے کہ استحضار کے نیچے تو کما ہو فی حال حیاتہ تک داخل ہے اور بس آگے "اذ لا فرق بین موتہ و حیاتہ" تو یستحضر کی دلیل ہے اس کے نیچے داخل نہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ آپ فکر نہ کریں جب آپ جیسے بزرگوں کی حمایت بریلویوں کو حاصل ہے تو ناکام مشکل سے ہوں گے۔ آپ ان کی حمایت ضرور جاری رکھیں۔ ہم بندیال میں ایک بریلوی کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لئے گئے۔ مناظرہ تو نہ ہوا مگر اس کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے نیچے آپ کی دیگ بول رہی ہے۔ (بلفظہٖ ص ۷ و ۸)

الجواب: اس عبارت میں بھی جناب قاضی صاحب نے سطحی قسم کی اور بے مغز باتیں لکھ کر وقت ضائع کیا ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ لفظ اذ صرف ماضی ہی کے لئے نہیں آتا بلکہ استقبال، مفاجات اور تعلیل کے لئے بھی آتا ہے۔ چنانچہ نحو کی مشہور اور درسی کتاب شرح جامی میں ہے کہ: "وقد تجیٔ للمستقبل کقولہ تعالٰی فسوف یعلمون اذ الاغلال فی اعناقھم الٰی قولہ وقد تجیٔ للمفاجاۃ" (شرح جامی ص ۲۴۱)

اذ کبھی مستقبل کے لئے بھی آتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالٰی کے ارشاد: فسوف یعلمون اذ الاغلال فی

اعناقھم (میں مستقبل کے لئے ہے) اور کبھی یہ مفاجات (اچانک کے معنی) کے لئے بھی آتا ہے اور علم نحو کی مشہور اور دقیق کتاب مغنی اللبیب (ج ۱ ص ۷۷) (جس کے مصنف جمال الدین عبداللہ بن یوسف رحمہ اللہ الخزرجی المتوفی ۷۶۱ھ ہیں اور (شرح الدمامینی علی متن المغنی ج ۱ ص ۷۵) میں اس کی تصریح موجود ہے کہ لفظ اذ تعلیل کے لئے بھی آتا ہے اور علامہ رضی (محمد بن الحسن الاسترآبادی المتوفی ۶۸۴ھ) لکھتے ہیں کہ: ''ویجئ اذ للتعلیل نحو جنتک اذ انت کریم'' (رضی شرح الکافیہ ج ۲ ص ۹۱ طبع دہلی)

اور لفظ اذ دلیل کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ جنتک اذ انت کریم میں تعلیل اور دلیل کے لئے ہے۔

لہٰذا لفظ اذ کو صرف ماضی ہی کے سمجھنا نحوی قاعدہ سے بے خبری پر مبنی ہے۔ وثانیاً: اس نحوی اور مشہور قاعدہ کے علاوہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم جناب قاضی صاحب کی علمی دیگ کا ایک چمچہ اور کڑ چھا بھی ہدیۂ قارئین کرام کردیں تاکہ ان کے لئے کسی طرف بھی راہ فرار باقی نہ رہے۔ چنانچہ اسی سابق عبارت میں جناب قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ آگے ''اذ لافرق بین موتہ وحیاتہ'' تو یستحضر کی دلیل ہے۔ اس کے نیچے داخل ہی نہیں۔ (ملحظہ) اس عبارت میں جناب قاضی صاحب نے لفظ اذ کو تعلیل اور دلیل کے لئے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح ہم بھی باادب عرض کرتے ہیں کہ: ''اذ ھو حی'' کا جملہ جو شارح زرقانی رحمہ اللہ کا ہے: ''ویلازم الادب والخشوع'' کی دلیل ہے جو علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کی عبارت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہونے والا جب بھی حاضر ہو ادب، خشوع اور تواضع کو لازم پکڑے اور اس عظمت اور ہیبت کے مقام پر اپنی نگاہ کو نیچے رکھے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زندگی میں اس طریقہ کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور جیسا کہ آپ کی حسی زندگی میں ادب واحترام لازم تھا۔ اب آپ کی قبر مبارک پر بھی ایسا ہی لازم ہے۔ اگر یہ مطلب نہ لیا جائے (اور حقیقت اور نفس الامر میں ہے بھی یہی) اور جناب قاضی صاحب والا مطلب لیا جائے تو ''اذ ھو حی'' کا جملہ جو شارح علامہ زرقانی رحمہ اللہ کا ہے بے معنی ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی زندگی میں ادب اور خشوع وغیرہ تو ماتن کی عبارت ''کما کان یفعل بین یدیہ فی حیاتہ'' سے ثابت ہے۔ پھر اس ثابت شدہ حیات کو اذ ھو حی سے ثابت کرکے تحصیل حاصل کا کیا فائدہ؟ اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ ہی علامہ سبکی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ: ''وانہ احیی بعد الموت حیاۃ حقیقۃ'' کہ آپ کو وفات کے بعد حقیقی حیات کے ساتھ زندہ کیا گیا ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۱۰)

اور علامہ سخاوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ: ''اذا کان المصلی عند قبرہ سمعہ بلا واسطۃ'' جب صلوۃ وسلام پڑھنے والا آپ کی قبر کے پاس پڑھتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاواسطہ سنتے ہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۸)

اور نیز لکھتے ہیں کہ: ''واوردان رد السلام علی المسلّم لا یختص بہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا بالانبیاء فقد صح مرفوعاً مامن احد یمر بقبر اخیہ المؤمن ومن کان یعرفہ فی الدنیا الّا عرفہ ورد علیہ السلام واجیب بان الرد من الانبیاء رد حقیقی بالروح والجسد بجملتہ ولا کذالک الرد من غیر الانبیاء والشھداء فلیس بحقیقی وانما ھو بواسطۃ اتصال الروح بالجسد لان بینہ وبینھا اتصالاً یحصل بواسطتہ التکمن من الرد مع کون ارواحھم لیست فی اجسادھم'' اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دینا

آنحضرت ﷺ اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہی سے مختص نہیں ہے۔ اس لئے کہ صحیح اور مرفوع حدیث سے ثابت ہے کہ جب بھی کوئی شخص اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا ہے۔ جب وہ سلام کہتا ہے تو مردہ اسے پہچانتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ رد سلام روح اور جسم کے کمال تعلق سے حقیقی رد ہے اور غیر انبیاء اور غیر شہداء علیہم السلام سے یہ رد حقیقی نہیں، بلکہ روح کے جسم کے ساتھ فی الجملہ اتصال سے ہے۔ کیونکہ جسم اور روح میں ایک گونہ اتصال ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ رد سلام پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ ان کی ارواح ان کے اجسام میں (بکمالہ) داخل نہیں ہوتیں۔ (ج ۸ ص ۳۰۸)

ان عبارات سے صراحۃً ثابت اور معلوم ہوا کہ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک میں آپ کی حیات حقیقیہ کے قائل ہیں کہ روح مبارک کا بکمالہ جسد اطہر سے کامل تعلق ہے نہ ایسا جیسا کہ عامۃ الناس کے ارواح کا ان کے اجساد سے فی الجملہ تعلق ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کی ان صریح عبارات کی موجودگی میں یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ اذ ہو حی سے یہ مراد لے رہے ہیں کہ: ''جب آپ زندہ تھے'' اور اب آپ کو قبر میں زندہ نہیں مانتے؟ الغرض کوئی معمولی سمجھ والا بھی یہ غلطی نہیں کرے گا اور نہ یہ ٹھوکر کھائے گا۔ ہاں! لا نسلم کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

ثالثاً: جناب قاضی صاحب کا یہ فرمانا کہ اس عبارت میں وسماعہ لسلامہ بھی استحضار کے تحت داخل ہے۔ پھر آپ کا مطلب نہیں حاصل ہوگا۔ نری دفع الوقتی اور خالص سینہ زوری ہے۔ کیونکہ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ بہانگ دہل بڑی شد و مد کے ساتھ عند القبر بلا واسطہ صلوٰۃ وسلام کا سماع اور حقیقی طور پر رد جواب بر ہر زائر ثابت کرتے ہیں۔ پھر ان کی عبارات کا یہ مطلب کیسے ہو گیا کہ وہ تخیل اور استحضار کے طور پر عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کے قائل ہیں۔

رابعاً: محترم جناب قاضی صاحب نے بندیال کے مناظرہ کا موضوع نہیں بیان کیا کہ کیا تھا؟ سماع الموتی کی دیگ میں لاتعداد اور بے شمار علماء ملت کی واضح عبارات کے علاوہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت بھی درج ہے کہ میں کہتا ہوں کہ سننے کی احادیث درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷)

اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت بھی درج ہے کہ بندۂ ضعیف اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے کہتا ہے کہ جو چیز ہمیں مجموعہ نصوص سے حاصل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ تو سب سے بہتر جانتا ہے۔ یہ ہے کہ مردوں کا سماع فی الجملہ بہت سی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹)

غالباً دیگ کے ان اور جیسے دیگر ٹھوس حوالوں نے قاضی صاحب کو حواس باختہ کیا ہوگا کہ اگر بریلوی یہ مسئلہ اٹھا دیں کہ جناب قاضی صاحب! آپ تو سماع موتی کا کلیۃً انکار کرتے ہیں اور آپ کے پیر و مرشد قریب سے سماع روح کے قائل ہیں۔ جیسا کہ ہم نے (سماع الموتی ص ۱۶۸) میں پڑھا ہے اور یہ مذکور دونوں بزرگ آپ کے استاد حدیث ہیں تو آپ کیوں ان سب کی مخالفت کرتے ہیں؟ اب اگر جناب قاضی صاحب ان کی بات تسلیم کرتے ہیں تو حواری نہیں جینے دیں گے اور اگر انکار کرتے ہیں تو مرشد اور اساتذہ کی رجعت پڑتی ہے۔ کریں تو کیا کریں؟

نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ بندیال میں بریلوی حضرات نے یہ موقف اختیار کیا ہوا اور سماع الموتی میں درج

شدہ حوالوں سے استفادہ کیا ہو کہ علماء دیوبند تو آنحضرت ﷺ کی حیات دنیوی اور برزخی دونوں کے قائل ہیں اور سماع موتی میں جسم اور روح دونوں کو شریک گردانتے ہیں اور صرف روح کی زندگی میں اور صرف روح سے سننے کے قائل تو ہمارے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ میں آپ تو ہمارے بریلوی بھائی ہیں اور آپ کا قارورہ تو ہمارے ساتھ ملتا ہے۔ پھر آپ ہمارے ساتھ مناظرہ کرنے کے لئے اتنے دور سے چل کر کیوں تشریف لائے ہیں؟ غالباً سماع الموتی کی دیگ میں اپنی قوت اور حرارت کی وجہ سے یہی حوالہ ابلتا اور جوش مارتا ہوا نظر آیا ہوگا جس کی وجہ سے گھبرا کر جناب قاضی صاحب مناظرہ کئے بغیر ہی بندیال سے تشریف لے آئے اور مناظرہ کی نوبت ہی نہ آئی۔

قارئین کرام کے افادہ کے لئے عرض ہے کہ ہم نے سماع الموتی میں بریلوی فرقہ کے پیشوا اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کا حوالہ یوں نقل کیا ہے۔

چنانچہ احمد رضا خان صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عرض: ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انکار سماع موتی سے رجوع ثابت ہے یا نہیں؟

ارشاد: نہیں! وہ جو فرما رہی ہیں حق فرما رہی ہیں، وہ مردوں کے سننے کا انکار فرماتی ہیں، مردے کون ہیں؟ جسم، روح مردہ نہیں اور بے شک جسم نہیں سنتا روح سنتی ہے۔''

پھر آگے لکھتے ہیں: ''سماع کے عرفی معنی ان آلات کے ذریعہ سے سننا اور یہ یقیناً بعد مرنے کے روح کے لئے نہیں۔ روح کو جسم مثالی دیا جاتا ہے۔ اس کے جسم کے کانوں سے سنتی ہے۔''

پھر آگے لکھتے ہیں: ''موتی کون ہیں؟ اجسام قبور میں کون ہیں۔ وہی اجسام تو پھر اجسام ہی کے سننے سے انکار ہوا اور وہ یقیناً حق ہے۔'' (ملفوظات حصہ سوم ص ۳۳)

غور کیجئے اور انصاف سے فرمایئے کہ اس مسئلہ میں خان صاحب بریلوی کا ہم نوا کون ہے؟ مگر دنیا میں ایسا ہوتا رہا ہے کہ چھاننی لوٹے کو دو سوراخ ہونے کا طعن دیتی ہے۔'' (سماع الموتی ص ۴۶ و ۴۷)

اور یہ جو کچھ خان صاحب نے فرمایا وہی جناب قاضی صاحب فرماتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: لہٰذا جب کوئی قبر کے پاس جا کر کلام کرے گا تو یہ جسم مردہ تو سنتا نہیں اور روح کوسوں دور علیین میں ہے۔ پھر سنے گا کون؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ موتی نہیں سنتے۔'' (الشہاب ص ۴۶)

جناب خان صاحب اور جناب قاضی صاحب دونوں قبر میں جسم کو مردہ مانتے ہیں۔ دیکھئے کیسے قارورہ آپس میں ملا ہے بریلویوں کو اپنے ہمنوا ہونے کا کیسا بہترین تحفہ جناب قاضی صاحب نے پیش کیا ہے کہ وہ پھولے نہ سمائیں۔

استعارہ کی بحث

(سماع الموتی ص ۷۹) میں ہم نے لطائف رشیدیہ (ص ۸ و ۹) کی مسئلہ سماع موتی سے متعلق ایک عبارت نقل کی ہے۔ (وہ اصل کتاب ہی دیکھ لیں) اس کو جناب قاضی صاحب نقل کر کے ہمارے ہی مارے ہوئے شکار کو چیر پھاڑ کر مفید مطلب حصہ حاصل کرنے کے درپے ہیں۔ چنانچہ جناب قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''چونکہ

حضرت مولانا ابوالزاہد سلمہ اللہ تعالیٰ نے ایک باب التحریف بھی کھول رکھا ہے اس لئے کہیں یہ عبارت بھی اس باب کے ذیل میں ہضم نہ کر جائیں۔ مناسب سمجھا کہ اس عبارت کا بلاتحریف صحیح مطلب پہلے لکھ دیا جائے۔ الیٰ قولہ: پھر آیت میں استعارہ ہے۔ مردے اور صمّ مشبہ بہ مستعار منہ ہیں اور کفار مستعار لہ مشبہ ہیں اور استعارہ میں وجہ شبہ جو معنی مشترک ہوتا ہے۔ وہ مستعار منہ مشبہ بہ میں حقیقی لیا جاتا ہے۔ مجازی لینا درست نہیں جیسے شیر مشبہ بہ ہو اور زید مشبہ اور وجہ شبہ شجاعت جو دونوں میں مشترک ہے۔ شیر میں علی وجہ الاتم اور حقیقی معنی پر ہوگی مجازی پر نہیں۔ اسی طرح موتی اور صمّ میں وجہ شبہ عدم سماع علیٰ وجہ الاتم ہوگی اور حقیقی معنی پر ہوگی کہ نہیں سنتے نہیں سنتے، نہیں سنتے۔ مجازی معنی پر محمول نہیں ہوگی کہ سنتے ہیں اور نفع نہیں اٹھاتے، سنتے ہیں اور نفع نہیں اٹھاتے، سنتے ہیں اور جواب نہیں دیتے۔ ہاں! مشبہ کفار میں یہی معنی مراد ہیں کہ نفع نہیں اٹھاتے۔ لہٰذا حسب قواعد مرجح جانب عدم سماع ہے۔'' (ص ۹و۱۰)

الجواب: محترم قاضی صاحب بڑے ذہین طباع اور بہترین مدرس ہیں۔ مگر اس مقام پر انہوں نے غور وفکر سے بالکل کام نہیں لیا۔ ورنہ ان کے لئے بات سمجھنا بالکل آسان ہے۔ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ استعارہ کے چار ارکان ہیں۔ مشبہ، مشبہ بہ، وجہ شبہ اور اداۃ (حرف) التشبیہ (تلخیص المفتاح، مختصر المعانی اور مطول وغیرہ میں اس کی سیر حاصل بحث ہے) باقی تین چیزوں میں تو فریقین کا کوئی نزاع نہیں۔ نزاع ہے تو وجہ شبہ میں ہے کہ اس مقام میں مشبہ کفار اور مشبہ بہ الموتی وصمّ میں وجہ شبہ کیا ہے؟ پہلے وجہ الشبہ کا معنی ملاحظہ کرلیں۔ چنانچہ امام ابوالمعالی محمد بن عبدالرحمٰن القزوینی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۳۹ھ) لکھتے ہیں: ''ووجهه مایشترک فیه تحقیقاً او تخییلاً''

اور وجہ شبہ وہ ہے جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حقیقتاً یا خیالی طور پر شریک ہوں۔ (تلخیص المفتاح ص ۴۹)

اور اس کی تشریح میں علامہ مسعود رحمہ اللہ بن عمر سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۹۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

''ای وجه التشبیه هو المعنی الذی قصد اشتراک الطرفین فیه تحقیقاً او تخییلاً الیٰ قوله ولهذا قال الشیخ عبدالقاهر التشبیه الدلالة علیٰ اشتراک شیئین فی وصف هو من اوصاف الشئ فی نفسه خاصة کالشجاعة فی الاسد والنور فی الشمس'' (المطول ص ۵۲۸ وراجع مختصر المعانی ص ۲۰۰)

وجہ شبہ وہ معنی ہے جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کے اشتراک کا قصد کیا گیا ہو۔ حقیقتاً یا خیالی طور پر (پھر آگے فرمایا) اور اسی لئے شیخ عبدالقاہر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ تشبیہ کا مطلب کسی چیز کے ذاتی اور خاص اوصاف میں سے کسی وصف کا دو چیزوں میں اشتراک پر دلالت کرنا ہے جیسا کہ شیر میں وصف شجاعت ہے اور سورج میں نور ہے۔

یعنی اگرچہ شیر میں اور بھی اوصاف ہیں۔ مثلاً حیوان ہونا، جسم ہونا وغیرہ مگر اس کی خاص صفت شجاعت ہے۔ اس وصف خاص میں دو چیزوں کا شریک ہونا وجہ شبہ ہے اور اسی طرح سورج کا جسم اور حجم وغیرہ بھی ہے۔ مگر اس کی ذاتی صفت (جو اللہ تعالیٰ نے اسے دی ہے) نور اور روشنی ہے تو اس میں نور والی صفت وجہ شبہ ہے اور اس وصف میں دونوں کا اشتراک ایسا اور اس قدر گہرا ہو کہ گویا دونوں ایک ہیں۔

چنانچہ امام فن امام عبدالقاہر بن عبدالرحمٰن الجرجانی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۷۱ھ) لکھتے ہیں کہ: ''وانه قد تناهی الی ان صار المشبه لا یتمیز عن المشبه به فی المعنی الذی من اجله شبه به'' یعنی وہ وجہ شبہ یہاں تک پہنچ جائے کہ مشبہ کو مشبہ بہ سے اس معنی سے ممتاز نہ کیا جا سکے جس کی وجہ سے اسے تشبیہ دی گئی ہے۔ (دلائل الاعجاز ص ۲۴۰ مصر)

ان روشن عبارات سے یہ بات بالکل آشکارا ہوگئی ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ ایک ہونی چاہئے۔ مگر قاضی صاحب وکالت کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ مشبہ بہ یعنی الموتی اور صمّ میں وجہ شبہ عدم سماع ہے اور زور دے کر بار بار فرماتے ہیں کہ نہیں سنتے، نہیں سنتے، نہیں سنتے اور مشبہ یعنی کفار میں وجہ شبہ عدم انتفاع بتاتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ: ہاں! مشبہ کفار میں یہی معنی ہیں کہ نفع نہیں اٹھاتے۔ اب انصاف سے فرمائیں کہ کیا استعارہ کے قواعد کی یہ صریح خلاف ورزی نہیں ہے؟ آپ چونکہ بزرگ ہیں۔ اس لئے باب التحریف اور باب التناقض اور باب الجہالۃ والتعصب وغیرہ کے جملے آپ کے حق میں بولنے کی جرأت تو ہم نہیں کر سکتے لیکن متادبانہ گزارش ہے کہ طے شدہ اصول کو تو پامال نہ کریں۔

اگر مشبہ یعنی کفار میں وجہ شبہ عدم انتفاع ہے تو یقین جانئے کہ مشبہ بہ الموتی اور صمّ میں بھی یہی معنی متعین ہیں اور اگر مشبہ بہ (الموتی اور صمّ) میں حقیقتاً عدم سماع ہے تو استعارہ کے قاعدہ کے مطابق مشبہ (کفار) میں بھی حقیقتاً عدم سماع ہی ہوگا تو اعلان کر دیجئے کہ دنیا میں سچ مچ کوئی زندہ کافر حقیقتاً نہیں سنتا اور فھم لایسمعون اپنی حقیقت پر محمول ہے۔ معاف رکھنا نہیں سنتے، نہیں سنتے، نہیں سنتے بار بار کہہ اور لکھ کر اور اس پر زور صرف کر کے تو یہ وجہ شبہ نہیں بن سکتی۔ وجہ شبہ قاعدہ کے مطابق بنائیں جو مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں ایک ہو اور وہ صرف وہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ عدم انتفاع کہ مشبہ بہ (الموتی اور صمّ) میں حقیقتاً عدم انتفاع ہے اور مشبہ (کفار) میں ادّعاء کہ وہ سن کر بھی نفع نہیں اٹھاتے اور سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ امام فن امام عبدالقاہر الجرجانی رحمہ اللہ استعارہ کی بحث میں فرماتے ہیں کہ: ''ان موضوعھا علی انک تثبت بھا معنیً لایعرف السامع ذالک المعنی من اللفظ ولکنہ یعرفہ من معنی اللفظ بیان ذالک انا نعلم انک لاتقول رأیت اسداً الّا وغرضک ان تثبت للرجل انہ مساوٍ للاسد فی شجاعتہ وشدۃ بطشہ واقدامہ الی قولہ فاعرف ھذہ الجملۃ واحسن تاملھا'' استعارہ کی وضع اس لئے ہے کہ تو اس کے ساتھ وہ معنی ثابت کرے جس معنی کو سامع لفظ سے نہ سمجھے لیکن اس لفظ کے معنی سے سمجھے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ بلا شبہ ہم یہ جانتے ہیں کہ تو جب (بہادر شخص کو دیکھ کر) کہے میں نے شیر دیکھا ہے تو تیری غرض یہی ہے کہ تو مرد کے لئے یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ شیر کے ساتھ اس کی شجاعت، سخت گرفت اور جرأت میں مساوی ہے۔ (پھر آگے فرمایا کہ) تو اس قاعدہ کو اچھی طرح سمجھ لے اور اس پر خوب غور کر۔ (دلائل الاعجاز ص ۲۳۰)

ملاحظہ کیجئے کہ امام فن اس عبارت میں استعارہ کی وضع اور اس کا قاعدہ اور ضابطہ کیا بیان کرتے ہیں اور پھر کس طرح اس کو سمجھنے اور اس پر غور کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔

اس قاعدہ سے صراحتاً یہ معلوم ہوا کہ وجہ شبہ کو سامع لفظوں سے نہیں سمجھ سکتا بلکہ الفاظ کے معانی سے سمجھتا ہے۔ اب اگر ہم لاتسمع الموتی میں وجہ شبہ عدم سماع تسلیم کریں تو اس کو تو سامع آپ حضرات کے پسندیدہ ترجمہ کہ مردے نہیں سنتے لاتسمع الموتی کے لفظوں سے سمجھتا ہے۔ پھر یہ استعارہ کیسے ہوا؟ اور عدم سماع وجہ شبہ کیسے قرار پائی؟ اور پھر استعارہ میں قاعدہ کے لحاظ سے یہ کیسے متصور ہوسکتا ہے کہ حکم خبری (یعنی لاتسمع الموتی) اور وجہ شبہ (جو بقول آپ کے عدم سماع ہے) ایک ہی ہو؟ آپ جذبات میں آنے کی بجائے ٹھنڈے دل سے علمی طور پر ائمہ فن کی روشن عبارات کی مدد سے استعارہ کو سمجھنے کی کوشش فرمائیں اور عدم انتفاع کو ہم ہی نے وجہ شبہ نہیں قرار دیا۔

حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ ایسا ہی فرماتے ہیں۔ ہم نے سماع الموتی میں مشہور مفسر قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی تفسیر ان الفاظ سے نقل کی تھی: ''وانما شبهوا بالموتی لعدم انتفاعهم باستماع مایتلی علیهم کما شبهوا بالصم فی قوله تعالی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولو مدبرین فان اسماعهم فی هذه الحالة ابعد'' ان زندہ کافروں کو مردوں کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ اس چیز کو جوان پر پڑھی جاتی ہے سن کر نفع نہیں حاصل کرتے۔ جیسا کہ ان کو ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین کے ارشاد میں بہروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ اس حالت میں ان کا سننا بعید تر ہے۔ (تفسیر بیضاوی علی القرآن العظیم ص ۳۲۱)

اس تفسیر سے بھی معلوم ہوا کہ زندہ کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ اس امر میں نہیں دی گئی کہ وہ سرے سے سنتے ہی نہیں بلکہ تشبیہ اس سماع کی ہے جو موجب انتفاع ہو اور یہ بالکل واضح ہے۔ (سماع الموتی ص ۲۹۵)

جناب قاضی صاحب علامہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے اس حوالہ اور اس کی روشنی میں ہماری تشریح کا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''جناب یہ وہی فرما رہے ہیں جس کا ذکر پہلے استعارہ کی تفصیل میں گزر چکا کہ مردے سنتے ہی نہیں اور یہ (یعنی کفار۔ صفدر) سنتے ہیں نفع نہیں اٹھاتے۔ مولانا! صمّ کی تشبیہ میں کیا معنی کریں گے۔ یہ سنتے ہیں اور نفع نہیں اٹھاتے۔ جیسے صمّ مدبر سنتا ہے اور نفع نہیں اٹھاتا؟ جناب! صمّ مدبر سنتا ہے؟ کلا وحاشا: سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔'' (ص ۵۵، ۵۶) اور پھر (ص ۷۵) میں لکھتے ہیں کہ: ''حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ انہوں نے سوتی اور من فی القبور میں ایک مدلل قانون ذکر کیا ہے۔ استعارہ کا کہ اس میں مشبہ بہ مستعار منہ میں معنی حقیقی لینا ضروری ہے۔ موصوف نے اس کی پروانہ کی اور اس قانون کی خلاف ورزی کی اور آخر تک قدب تشبیہ کرتا گیا۔''

اس طرز استدلال میں جناب قاضی صاحب نے غور وفکر کو قریب بھی نہیں آنے دیا۔ اولاً: اس لئے کہ جو تفسیر استعارہ کی جناب قاضی صاحب نے نقل کی ہے کہ وجہ شبہ عدم سماع ہے وہ ائمہ فن شیخ عبدالقاہر الجرجانی رحمہ اللہ اور علامہ تفتازانی رحمہ اللہ وغیرہ کی صریح عبارات کے خلاف ہے اور وجہ شبہ عدم سماع قطعاً نہیں بن سکتی۔ کما مر! تو پھر علامہ بیضاوی رحمہ اللہ کی صریح عبارت میں ہم وجہ شبہ عدم انتفاع کو چھوڑ کر اس مفروض تفصیل کی طرف کیوں جائیں جس کا حوالہ جناب قاضی صاحب یوں دیتے ہیں کہ: ''یہ وہی فرما رہے جس کا ذکر پہلے استعارہ کی تفصیل میں گزر چکا کہ مردے سنتے ہی نہیں اور (کفار) سنتے ہیں نفع نہیں اٹھاتے۔''

عرض یہ ہے کہ علامہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ علوم عربی کے امام ہیں وہ استعارہ کی تفسیر کو بخوبی جانتے ہیں اور وہ تو صراحۃً بیان کرتے ہیں کہ وجہ شبہ عدم انتفاع ہے جو مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں ایک ہے۔ ایک میں حقیقتاً اور دوسرے میں ادّعاءً اور قاضی صاحب مشبہ بہ الموتی اور الصمّ میں وجہ شبہ مردے سنتے ہی نہیں۔ بتلاتے ہیں مشبہ کفار میں سنتے ہیں، نفع نہیں اٹھاتے۔'' کچھ تو غور فرمائیں کہ وہ کیا فرما رہے ہیں اور استعارہ کا قانون کیا ہے۔

ثانیاً: یہ بات صرف قاضی بیضاوی رحمہ اللہ ہی نہیں بیان کرتے دیگر مفسرین کرام رحمہم اللہ بھی یہی کچھ فرماتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر جلالین اور السراج المنیر میں ''افانت تسمع الصم'' کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''شبههم بهم فی عدم الانتفاع بمایتلی علیهم'' (تفسیر جلالین ص ۳۷۴ اور السراج المنیر ج ۲ ص ۲۱)

اللہ تعالیٰ نے کفار کو بہروں کے ساتھ اس امر میں تشبیہ دی ہے کہ ان پر جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس سے وہ نفع نہیں اٹھاتے۔

یہ عبارت بھی بالکل صریح ہے کہ وجہ تشبیہ عدم انتفاع ہے نہ کہ عدم سماع اور تفسیر مظہری میں ''انک لا تسمع الموتی'' کی تفسیر میں ہے کہ: ''ای الکفار شبھھم بالموتی لعدم الانتفاع لھم بتسامع ما یتلی علیھم کما شبھوا بالاصم فی قولہ تعالٰی ولا تسمع الصم الدعا'' (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۱۳۰)

اللہ تعالیٰ نے کفار کو مردوں سے تشبیہ دی ہے۔ اس امر میں کہ جو کچھ ان پر پڑھا جاتا ہے وہ اس کو سن کر اس سے انتفاع نہیں کرتے۔ جیسا کہ ان کو بہروں سے اسی وجہ سے تشبیہ دی ہے: ''ولا تسمع الصم الدعاء'' کے ارشاد میں۔ اس عبارت میں اس بات کی صراحت ہے کہ زندہ کفار کو مردوں اور بہروں سے تشبیہ عدم انتفاع میں دی گئی ہے۔

اور تفسیر خازن میں ہے کہ: ''یعنی ان اللہ سبحانہ وتعالٰی صرف قلوبھم من الانتفاع بما یسمعون ولم یوفقھم لذالک فھم بمنزلۃ الجھال اذالم ینتفعوا بما لم یسمعوا'' (تفسیر الخازن ج ۳ ص ۱۹۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ان کی سنی ہوئی چیزوں کے انتفاع سے پھیر دیا ہے اور ان کو اس کی توفیق ہی نہیں دی۔ سو ان کی مثال ان جاہلوں کی سی ہے جنہوں نے نہ سنا اور نہ نفع اٹھایا۔

یہ عبارت بھی بالکل واشگاف ہے کہ تشبیہ عدم انتفاع میں ہے باوجود تلاش کے کسی معتبر تفسیر میں صراحۃً ہمیں ایک حوالہ بھی نہیں مل سکا کہ اس استعارہ میں وجہ تشبیہ عدم سماع ہے۔ اگر یہ وجہ تشبیہ بن سکتی تو کوئی نہ کوئی مفسر ضرور اس کا ذکر کرتا بخلاف عدم انتفاع کے کہ اس کا صراحۃً ذکر کرتے ہیں جس طرح ان حضرات نے وجہ شبہ عدم انتفاع بتائی ہے۔ اسی طرح حافظ ابن تیمیہ، علامہ قرطبی، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن حجر، امام ابن جریر، شیخ معین الدین، علامہ عبدالعزیز فرہاروی اور علامہ بعلی، مولانا تھانوی وغیرہ (رحمہم اللہ) جملہ حضرات بھی وجہ شبہ عدم انتفاع (اور عدم قبول) بیان کرتے ہیں، جن کی مفصل عبارتیں سماع الموتی کے مختلف صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں مگر جناب قاضی صاحب کو وہ نظر نہیں آئیں یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں اور کوسنے کے لئے صرف راقم اثیم ہی کو سامنے رکھا ہے۔ حالانکہ:

میں اس عارفانہ تجاہل کے صدقے ہر ایک دل کو چھیدا میرا دل سمجھ کر

اصل بات یہ ہے کہ جناب قاضی صاحب خود غلط فہمی کا شکار ہیں وہ یہ کہ وہ وجہ تشبیہ مرکب سمجھتے ہیں کہ بہرے اور مردے نہ سنتے ہیں اور نہ نفع اٹھاتے ہیں اور زندہ کفار سنتے ہیں اور نفع نہیں اٹھاتے ہیں۔ اسی لئے تو وہ ہم سے سوال کرتے ہیں کہ صمّ کی تشبیہ میں کیا معنی کریں گے؟ یہ سنتے ہیں اور نفع نہیں اٹھاتے جیسے صمّ (غالباً اصم ہوگا کیونکہ صم تو جمع ہے مدبر اس کی صفت کیونکر واقع ہو سکتی ہے؟ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ موصوف اور صفت کی عدم مطابقت کے اعتراض کی شیرینی سواتی برادران ہی کے لئے وقف ہو) مدبر سنتا ہے اور نفع نہیں اٹھاتا؟ جناب! سنئے مدبر سنتا ہے۔ کلّا وحاشا!

سو مؤدبانہ گزارش ہے کہ وجہ تشبیہ مفرد ہے عدم انتفاع یہ مشبہ بہ الصم میں حقیقتاً ہے کہ چونکہ سنا نہیں، اس لئے فائدہ نہیں اٹھایا اور مردوں میں بھی حقیقتاً ہے کہ ان کے انتفاع کا عالم ہی نہیں ہے اور کفار میں جو مشبہ ہیں ادّعاء ہے کہ سن کر بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ بہر حال اور بہر کیف وجہ تشبیہ عدم انتفاع ہے۔ لا غیر ولا شک فیہ!

ثالثاً: بلا شک حضرت گنگوہی رحمہ اللہ ہمارے صد احترام بزرگ ہیں لیکن استعارہ کی تفسیر اور تشریح میں دلائل الاعجاز، تلخیص المفتاح، مختصر المعانی اور مطول وغیرہ کی صریح عبارتیں ہی قابل اعتماد ہیں۔ کیونکہ امام عبدالقاہر

الجرجانی ﷫ اور علامہ تفتازانی ﷫ وغیرہ اکابر اس فن کے امام ہیں اور بات انہی کی چلے گی کہ وجہ تشبیہ مشبہ اور مشبہ بہ میں ایک ہی ہوتی ہے اور وہ الفاظ سے نہیں سمجھی جاسکتی بلکہ عقلاء اسے معانی سے سمجھتے ہیں اور جناب قاضی صاحب اس پر مصر ہیں اور بلا دلیل یہ منوانا چاہتے ہیں کہ مشبہ بہ میں وجہ شبہ عدم سماع ہے اور مشبہ میں عدم انتفاع ہے اور استعارہ کے قانون کی خود صراحتاً خلاف ورزی کرتے ہیں اور الٹا ہمیں خلاف ورزی کا ملزم گردانتے ہیں:

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ہم نے (سماع الموتی ص ۱۷۷) میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب ﷫ کا یہ حوالہ بھی دیا ہے جس کو دیگر سینکڑوں حوالوں اور صریح عبارات کی طرح جناب قاضی صاحب پی گئے ہیں۔

''والقول بان الاموات اذا ثبت لهم السماع عندالقرآن لم يستقم له التشبيه بالاموات جهل وسفه فان التشبيه انما ورد بحسب علمنا وعالمنا وان ثبت السماع عنده'' (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۸)

اور یہ کہنا کہ قرآن کریم کی رو سے جب مردوں کے لئے سماع ثابت ہے تو مردوں کے ساتھ اس کی تشبیہ درست نہیں۔ ایک خالص جہالت اور حماقت ہے۔ کیونکہ تشبیہ تو ہمارے علم اور ہمارے عالم کے مطابق وارد ہوئی ہے۔ اگرچہ قرآن کریم کی رو سے سماع ثابت ہے۔''

اور اس سے قبل امام سیوطی ﷫ کی عبارت کا حوالہ دے کر اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''ان هؤلآء الكفار كالموتى فلا تنفع هدايتك فيهم لان نفعها انما كان فى حياتهم وقد مضى وقتها كذالك هؤلآء وان كانوا احياء الا ان هدايتك غير نافعة لهم لكونهم مثل الاموات فى عدم الانتفاع فليس الغرض نفى السماع بل نفى الانتفاع'' (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۸)

بے شک یہ کافر مردوں کی طرح ہیں۔ تیری رہنمائی ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ کیونکہ اس ہدایت اور رہنمائی کا فائدہ ان کو زندگی میں ہوسکتا تھا اور اب اس کا وقت جاچکا ہے۔ اسی طرح یہ کافر اگرچہ زندہ ہیں مگر تیری ہدایت ان کو فائدہ نہیں دیتی۔ کیونکہ یہ عدم انتفاع میں مردوں کی طرح ہیں تو اس میں غرض نفی سماع نہیں بلکہ نفی انتفاع ہے۔ حضرت شاہ صاحب ﷫ کی عبارت بھی بالکل واضح ہے۔ مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔

جذبات و جوش

پھر آگے جوش میں آکر محترم قاضی صاحب فرماتے ہیں: ''تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موتی اور من فی القبور کا حقیقی معنی تو کفار نہیں بلکہ مردے ہیں۔ اس میں استعارہ کیا گیا موتی اور من فی القبور کو کفار کے لئے۔ مردے مستعار منہ اور مشبہ بہ بنے اور کفار مستعار لہ اور مشبہ بنے اور عدم سماع ان دونوں میں مشترک وجہ تشبیہ کی بنے گی جیسے اسد بول کر مراد زید لیں تو شیر مستعار منہ مشبہ بہ بنے گا اور زید مستعار لہ مشبہ ہوگا اور شجاعت دونوں میں مشترک وجہ تشبیہ کی ہوگی اور استعارے کا قانون یہ ہوتا ہے کہ وجہ تشبیہ کے معنی مشترک مشبہ بہ میں حقیقی پایا جائے علیٰ وجہ الاتم نہ کہ مجازی تو یہ ضرور ہوا کہ عدم سماع علیٰ وجہ الحقیقت مردوں میں اتم پایا جائے تو معنی یہ ہوا کہ مردے تو سرے سے سنتے ہی نہیں اور کفار سنتے ہیں اور نفع نہیں اٹھاتے اور یہ نہ کہہ سکیں گے کہ جیسے کفار سنتے تو ہیں مگر نفع نہیں اٹھا سکتے۔

ایسے ہی مردے سنتے تو ہیں مگر نفع نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے کہ اس صورت میں مستعار منہ مشبہ بہ میں معنی حقیقی نہ رہے گا بلکہ مجازی بن جائے گا جو قانون استعارہ کے خلاف ہے اور نیز اس میں قلب تشبیہ ہو جائے گا۔ اس لئے کہ معنی یہ ہو جائے گا کہ مردے سننے کے بعد نفع نہیں اٹھا سکے۔ جیسے کفار سننے کے بعد نفع نہیں اٹھا سکتے تو اس میں مردے مشبہ بن گئے اور تھے وہ مشبہ بہ اور کفار مشبہ بن گئے اور تھے وہ مشبہ تو چوں کہ موصوف کے پاس اس کا جواب کوئی نہیں اس لئے اغماض کر گئے۔'' (ص ۲۱ و ۲۲)

الجواب: اس میں بھی جناب قاضی صاحب نے غور و فکر سے بالکل کام نہیں لیا۔ اوّلاً: اس لئے کہ وہ خود استعارہ کا قانون یہ بیان کرتے ہیں کہ مستعار منہ اور مستعار لہٗ میں جو معنی مشترک ہوگا وہ وجہ تشبیہ ہوگی اور معنی مشترک ان دونوں میں ایک ہی ہونا چاہئے اور وہ خود مستعار منہ میں تو یہ کہتے ہیں کہ مردے تو سرے سے سنتے ہی نہیں (اور یہ معنی مفرد ہے) اور مستعار لہٗ میں فرماتے ہیں کہ اور کفار سنتے ہیں مگر نفع نہیں اٹھاتے (اور یہ معنی مرکب ہے) تو اس لحاظ سے دونوں میں ایک ہی معنی تو نہ پایا گیا۔ ایک میں معنی مفرد ہے اور دوسرے میں مرکب ہے اور یہ استعارہ کے قانون کے سراسر خلاف ہے۔ استعارہ کے قاعدہ اور قانون کے مطابق ان کو یہ کہنا چاہئے کہ جیسے مردے سرے سے نہیں سنتے۔ ایسے ہی زندہ کفار بھی سرے سے نہیں سنتے اور کلمۂ حق کے سننے سے انہیں بالکل چھٹی دے دینی چاہئے۔

وثانیاً: اس لئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو جیسے مردوں سے تشبیہ دی ہے، اسی طرح صم (بہروں) سے بھی تشبیہ دی ہے اور اس مقام پر محترم جناب قاضی صاحب بھی الموتی اور صم کا ذکر کرتے ہوئے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ: ''ہاں! مشبہ کفار میں یہی معنی مراد ہیں کہ نفع نہیں اٹھاتے۔'' (ص ۱۰) اس جگہ جناب قاضی صاحب نے عدم انتفاع کو وجہ تشبیہ قرار دیا ہے اور یہی صحیح ہے کہ مفرد بھی ہے اور دونوں میں مشترک بھی ہے اور یہاں وجہ تشبیہ عدم سماع اور عدم انتفاع دو چیزیں بیان فرماتے ہیں۔ نہ معلوم یہ تفنن کیوں؟ اور کیسا؟ چوں کہ محترم جناب قاضی صاحب کے ذہن میں عدم سماع موتی کا مسئلہ کالنقش فی الحجر ہے۔ اس لئے وہ وجہ شبہ میں اس کا پیوند ضرور ساتھ لگانے پر مجبور ہیں۔ حالانکہ وجہ شبہ صرف اور صرف عدم انتفاع ہے جو دونوں میں مشترک ہے اور مفرد ہے اور یہ معنی الموتی اور صم میں حقیقتاً ہے اور کفار میں مبالغۃً اور اس وجہ شبہ میں عدم استماع کا کوئی پیوند نہیں اور اس حصہ سے آیات کریمات بالکل خاموش ہیں۔ چنانچہ علامہ حقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''ان آیات میں تو عدم سماع کا اشارہ تک نہیں ہے۔'' (تفسیر حقانی ج ۶ ص ۶۱)

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ''لاتسمع'' کے مضمون کی تین آیتوں کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ: ''ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں کسی میں یہ نہیں فرمایا کہ مردے نہیں سن سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔'' (معارف القرآن ج ۶ ص ۵۹۰)

الغرض! وجہ تشبیہ میں عدم سماع قطعاً شامل نہیں۔ وجہ تشبیہ تمام صورتوں میں صرف عدم انتفاع ہے جو الموتی اور صم میں حقیقتاً ہے اور کفار میں مبالغۃً ہے۔

مگر محترم جناب قاضی صاحب استعارہ کے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عدم سماع کو بھی عدم انتفاع کے ساتھ ضم کر کے بجبر منوانا چاہتے ہیں۔

ثالثاً: محترم جناب قاضی صاحب کا یہ فرمانا کہ اور یہ نہ کہہ سکیں گے کہ جیسے کفار سنتے تو ہیں مگر نفع نہیں اٹھا سکتے۔ ایسے ہی مردے سنتے تو ہیں مگر نفع نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے کہ اس صورت میں مستعار منہ مشبہ بہ میں معنی حقیقی نہیں رہے گا بلکہ مجازی بن جائے گا جو قانون استعارہ کے خلاف ہے۔ بلفظہٖ! اسی سابق غلطی کا نتیجہ ہے جس کی طرف ان کی توجہ نہیں اور یہ قانون استعارہ کی سراسر خلاف ورزی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی اسی سابق غلطی کی وجہ سے وجہ تشبیہ مرکب بنا ڈالی ہے۔ حالانکہ وجہ تشبیہ مفرد ہے اور وہ عدم انتفاع ہے جو مشبہ بہ میں حقیقی ہے اور مشبہ میں مبالغۃ ہے۔ تعجب ہے کہ خود قاضی صاحب وجہ تشبیہ عدم انتفاع تسلیم کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: ہاں! مشبہ کفار میں یہی معنی مراد ہیں کہ نفع نہیں اٹھاتے اور الٹا آپ ہمیں کوستے ہیں کہ ہم قانون استعارہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور قلب تشبیہ کرتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ! اور پہلے خود یہ تحریر فرماتے ہیں نفع نہیں اٹھاتے۔ جو صحیح ہے اور یہاں یہ فرماتے ہیں کہ نفع نہیں اٹھا سکتے۔ صرف قائلین سماع موتی کی بات کو مستبعد قرار دینے کے لئے یہ تعبیر اختیار کرتے ہیں۔

رابعاً: قاضی صاحب فرماتے ہیں: ''اور نیز اس میں قلب تشبیہ ہو جائے گا۔ اس لئے کہ معنی یہ ہو جائے گا کہ مردے سننے کے بعد نفع نہیں اٹھا سکتے جیسے کفار سننے کے بعد نفع نہیں اٹھا سکتے تو اس میں تو مردے مشبہ بن گئے اور تھے وہ مشبہ بہ اور کفار مشبہ بن گئے اور تھے وہ مشبہ۔''

اس عبارت میں بھی محترم جناب قاضی صاحب نے اسی غلطی کا ارتکاب کیا ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے اور بزور اپنی طرف سے وہ مشبہ بہ کو مشبہ بنا رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: ''مردے سننے کے بعد نفع نہیں اٹھا سکتے جیسے کفار سننے کے بعد نفع نہیں اٹھا سکتے تو اس میں مردے مشبہ بن گئے اور تھے وہ مشبہ بہ۔''

محترم! بن نہیں گئے بلکہ آپ نے اپنے ہاتھ مبارک کے کرتب سے بزور بنا دیئے ہیں اور اس کے بارے میں ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ: ''جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔''

محترم! کہنے والے استعارہ کے قانون کے عین مطابق یہ کہتے ہیں کہ عدم انتفاع، الموتی اور صم میں حقیقۃً ہے اور زندہ کفار میں مبالغۃ ہے کہ وہ فائدہ نہیں اٹھاتے اور سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔

خامساً: آخر میں فرماتے ہیں: ''تو چونکہ موصوف کے پاس اس کا جواب کوئی نہیں۔ اس لئے اغماض کر گئے۔'' سو گزارش ہے کہ ہم نے سماع الموتی (ص ۸۰) میں بین القوسین یہ عبارت تحریر کی ہے کہ (دوسرے حضرات کے نزدیک اس تشبیہ کی مراد حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت (۱۷۴) اور بدرالدین بعلی رحمہ اللہ کی عبارت (۲۶۸) میں اور اسی طرح دیگر اکابر کی عبارات میں دوسرے طریق سے ہے وہاں ملاحظہ کر لیں۔ صفدر) مطلب واضح ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی عبارت میں وجہ تشبیہ عدم سماع ہے تو دوسرے حضرات کی عبارات میں عدم انتفاع ہے اور باقاعدہ ان کی عبارات کا حوالہ دیا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ جواب نہ تھا۔ اغماض کر گئے، نری مضحکہ خیز بات ہے۔

حضرات علمائے دیوبند کا فتویٰ

محترم جناب قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ الغرض! علامہ سید امیر علی ملیح آبادی مصنف تفسیر مواہب الرحمن، نواب قطب الدین صاحب دہلوی مصنف مظاہر حق، حضرت مولانا محرم علی صاحب مؤلف غایت الاوطار ترجمہ

درمختار، مولانا سید احمد صاحب امروہی، حسین صابری چشتی، نقشبندی، مجددی نے حضرت شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کے فتویٰ کی تصدیق ان الفاظ کے ساتھ فرمائی ہے۔

''فما حققه المحقق الكامل المحدث الفقيه والفاضل النبيه شيخ الوقت مولانا رشيد احمد امطر الله عليه شآبيب الرحمت هو الاحق بالقبول وهو الاوفق بالمذهب والاوفق بالافتاء'' اس فتویٰ پر بہت سے علمائے کرام کے دستخط اور مہریں ذیل میں ملاحظہ ہوں۔ مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا عدم سماع اموات ہے اور باعتبار روایت و درایت کے بھی راجح ہے۔'' اس کے بعد تقریباً تین صفحوں میں متعدد حضرات کے نام ہیں۔ مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب، حضرت شیخ الہند، مولانا محمد انور شاہ صاحب، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا خلیل احمد صاحب، مولانا ظفر احمد تھانوی، مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی وغیرہم۔ (رحمہم اللہ) (الشھاب الثاقب ص ۱۲ تا ۱۴)

(اور (ص ۱۴) میں نقل کیا ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے) اور آخر میں قاضی صاحب فرماتے ہیں: دیکھئے مولانا اس حقیقت ھذہ مبینہ، ثابتہ پر کہ حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی، مفتی عزیز الرحمن اور حضرت مفتی کفایت اللہ (رحمہم اللہ) کے نزدیک عدم سماع قطعی یا راجح ہے کس طرح قلم پھیرتے ہیں۔ (بلفظہٖ ص ۱۶)

الجواب: یہ ساری کاوش بے سود ہے۔ اولاً: اس لئے کہ محترم جناب قاضی صاحب نے یہ مضمون اور بزرگوں کے نام محترم جناب نیلوی صاحب کے مضمون البیان (الاوفی فی رد سماع الموتی ص ۱۷ تا ۲۱) سے لئے ہیں۔ لیکن اس سارے مضمون میں انہوں نے بھولے سے بھی اشارۃً نیلوی صاحب کا نام تک نہیں لیا اور ان کے مارے ہوئے شکار پر ہی فرحاں و نازاں ہیں۔ حالانکہ علمی اور اخلاقی طور پر ماخوذ مضمون کا حوالہ دینا چاہئے تھا کہ شیر کس نے قابو کیا ہے؟ اور میں نے کہاں سے لیا ہے؟

ثانیاً: نیلوی صاحب کا بھی یہ علمی اور اخلاقی فریضہ تھا اور ہے کہ وہ اس رسالہ کے اصل مطبوعہ الفاظ بھی درج کرتے ہیں کہ مولوی محمد کرامت اللہ خان صاحب رحمہ اللہ نے کیا تحریر کیا تھا اور پھر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے کن الفاظ میں اس کا جواب دیا تھا جس کی تصدیق حضرات مصدقین نے کی ہے۔ خود جناب نیلوی صاحب نقل کرتے ہیں۔ فاضل مجیب نے جس قید کے ساتھ مولوی محمد کرامت خان صاحب کے رسالہ کا جواب دیا، نہایت صحیح ہے۔ (عبدالسلام دہلوی) (البیان الاوفی ص ۲۱) اور اس حوالہ کا ذکر جناب قاضی صاحب نے بھی (الشھاب ص ۱۶) میں کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مولوی محمد کرامت اللہ خان صاحب کے رسالہ میں سماع موتی کے بارے بنیادی باتیں کیا ہیں؟ اور فاضل مجیب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے جس قید کے ساتھ اس کا رد کیا ہے وہ قید کیا ہے؟ جناب نیلوی صاحب نے نہ تو اصل رسالہ کے الفاظ بتائے ہیں اور نہ جواب ہی پورا نقل کیا ہے جس میں کوئی خاص بنیادی قید بھی ہے اور اس قید کو ملحوظ رکھ کر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کا رد کیا ہے اور مصدقین حضرات نے اس کی تائید و تصدیق کی ہے۔ جب تک رسالہ کے اصل الفاظ اور دعویٰ اور اس کے رد کے اصل الفاظ اور وہ قید جس کو ملحوظ رکھ کر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے جواب دیا ہے سامنے نہ آئیں تو یہ دشوار گزار گھاٹی طے نہیں ہوسکتی۔ اصل بحث اور جواب کو پی جانا اور صرف پرزور الفاظ میں تصدیقات نقل کر دینا اور اس پر خوشی منانا خالص مجذوبانہ کارروائی ہے۔ جناب قاضی صاحب کا بھی یہ علمی اور اخلاقی فرض تھا کہ وہ اصل رسالہ اور اس کے رد کے الفاظ کا بقید حروف حوالہ دیتے۔ پھر تصدیقات نقل کرتے تا کہ پتہ چلتا کہ اصل حقیقت کیا ہے؟

شکوہ

جناب قاضی صاحب کا نیلوی صاحب پر علمی طور پر اعتماد نہ کرنا خالص اعجوبہ ہے۔ کیونکہ جو شخص حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر معروف الفقہ والعدالۃ اور جمہور کو زنبور اور حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کو ایرے غیرے نتھو خیرے اور ان کی کتابوں کی پوتھیاں اور استشفاع عند القبر کرنے والوں کو (جس پر تمام مسالک کے علماء متفق ہیں) علماء سوء اور سماع موتی کے قائلین کو ملحدین اور مبتدعین کہتے ہوں اور خود کاتب ہونے کی وجہ سے کاپیاں بھی تیار کر سکتے ہوں تو ان کی نقل پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ مگر حیرت ہے کہ لفظ مجذوب بولنے پر ہمارا تو یوں شکوہ کیا ہے کہ آپ مولوی محمد حسین صاحب کو جا بجا مجذوب کہتے ہیں۔ مولانا صدق دل سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مجذوب بنائے۔ (مگر نیلوی صاحب جیسا ہرگز نہیں۔ صفدر) علم تصوف میں یہ لکھا ہے کہ جب تک کوئی شخص مجذوب نہ ہو، ولی ہو ہی نہیں سکتا۔ فرق یہ ہے کہ ایک مجذوب سالک ہوتے ہیں اور ایک سالک مجذوب الخ (الشہاب الثاقب ص ۵۷) اور جناب قاضی صاحب کو یقین کر لینا چاہئے کہ نیلوی صاحب ان دونوں قسموں سے محروم ہیں اور نرے مجذوب ہیں۔

جناب قاضی صاحب بلا وجہ لغوی مجذوب کو اصطلاحی مجذوب بنا کر ولی بنانے کے درپے ہیں جو اسلام کی بنیادی باتوں میں بھی یمین و یسار کا فرق نہیں جانتے۔ مگر افسوس ہے کہ جناب قاضی صاحب نیلوی صاحب کے کسی لفظ پر جو سب باحوالہ سماع الموتی میں درج ہیں قطعاً کوئی تنقید نہیں کرتے۔ ان کا فریضہ تھا کہ جناب نیلوی صاحب کو بھی ذرا ڈانٹ پلاتے جن کے واہیات اور مکروہ الفاظ کی زد میں امت کی اکثریت آ جاتی ہے۔

کیا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ مطلقاً سماع موتی کے منکر ہیں؟

ثالثاً: یہ بات بھی بالکل عیاں ہے کہ الموتی میں حضرت انبیاء کرام علیہم السلام بھی قطعاً شامل ہیں۔ اس لئے کہ اس دنیا کی ظاہری اور حسی اور تکلیفی زندگی تو ان کو بھی نہیں ہے۔ قبر میں ان کی دنیوی، حقیقی اور جسمانی حیات کا معنی باحوالہ پہلے گزر چکا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور ان کے جملہ مصدقین حضرات کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عند القبر سماع نہیں؟ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے عند القبور سماع پر اتفاق نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ طویل عبارت میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ: ''مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰)

اور اس مسئلہ پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ بھی اتفاق نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''کیونکہ روضہ مبارک پر جو درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ بالاتفاق بلا واسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنتے اور جواب دیتے ہیں۔'' (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۱۰)

اور جن بزرگوں کے نام جناب نیلوی صاحب اور جناب قاضی صاحب نے مصدقین میں درج کئے ہیں ان میں سے ایک بزرگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماع کے منکر نہیں بلکہ سبھی حضرات مقر ہیں اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ اگرچہ عام اموات کے سماع میں اختلاف کرتے ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماع کو پرزور الفاظ میں ثابت کرتے ہیں جن کا مفصل حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔

رابعاً: اگر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے اس فتویٰ میں جو مولوی محمد کرامت اللہ خان کے رد میں انہوں نے تحریر فرمایا ہے: الموتیٰ سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ دوسرے عام اموات مراد ہوں تو ان کے سماع اور عدم سماع میں واقعی اختلاف ہے۔ اکابر علماء دیوبند میں سماع کے قائل بھی ہیں جن میں حضرت نانوتوی، حضرت تھانوی، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی وغیرہم (رحمہم اللہ) حضرات سرفہرست ہیں اور وہ زوردار الفاظ میں سماع کا اثبات کرتے ہیں جن کی مفصل عبارات سماع الموتیٰ میں باحوالہ درج ہیں۔ ان کو منکرین میں شامل کرنا خالص سینہ زوری ہے اور ان میں منکر بھی ہیں جیسے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ وغیرہ حضرات۔

محترم جناب قاضی صاحب نے (سماع الموتیٰ ص ۳۲۷و۳۲۸) میں (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۹۳) کے حوالہ سے درج شدہ ذیل کی عبارت کا بھی نام تک نہیں لیا اور اس کو بھی ہضم کر گئے ہیں جس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ ''پس تلقین اسی مذہب پر مبنی ہے۔ کیونکہ اوّل زمانہ قریب دفن کے بہت سی روایات اثبات سماع کرتی ہیں اور حضرت امام اعظم رحمہ اللہ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں۔'' حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی ایسی صریح عبارت کی موجودگی میں یہ دعویٰ کرنا کہ آپ کلیۃً سماع موتیٰ کا انکار کرتے ہیں نرا تعصب ہے۔

عزیز الفتاویٰ

محترم جناب سجاد بخاری اور نیلوی صاحب کے مارے ہوئے شکار سے استفادہ کرتے ہوئے جناب قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں اور چونکہ موصوف نے مفتی دارالعلوم حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد لگائی ہے (کہ فتاویٰ غرائب کا جو حوالہ منکرین سماع موتیٰ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف نسبت کرتے ہیں وہ بے اصل ہے۔ صفدر) اس لئے ان کا فیصلہ بھی سن لیں۔

وہ (عزیز الفتاویٰ ص ۵۸۳) میں لکھتے ہیں کہ سماع موتیٰ ثابت نہیں بلکہ عدم سماع پر نص قطعی وارد ہے: ''قال اللہ تعالٰی وما انت بمسمع من فی القبور وقال اللہ تعالٰی انک لا تسمع الموتٰی'' اب آپ اندازہ کریں کہ جب حضرت مفتی صاحب مرحوم ان کو عدم سماع پر نص قطعی قرار دیتے ہیں تو خود سماع کا قول کر کے نص قطعی کا خلاف کریں گے؟ آپ کو اختیار ہے کہ آپ مفتی صاحب مرحوم پر جرح کریں زور شور سے ان کا رد کریں اور یہ کہیں کہ مفتی صاحب کا اس آیت کو عدم سماع موتیٰ پر دال نص قطعی کہنا غلط ہے۔ اس کے دلائل دیں۔ دلائل سے ان کے قول کی تردید کریں۔ آپ کے لئے میدان وسیع ہے کون منع کرتا ہے؟

سوال یہ ہے کہ ان کے اقوال کی تحریف کر کے جو مسلک ان کا نہیں ان کے ذمے لگانا، یہ صریح خیانت اور بددیانتی ہے آپ اس سے پرہیز کریں۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ پختہ دیوبندی بھی رہنا چاہتے ہیں اور حضرات اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف بھی کرنا چاہتے ہیں جو یقیناً عدم سماع موتیٰ کی ترجیح یا سماع موتیٰ کا چرچا کرنا خلاف دیانت اور خلاف احتیاط ہے۔ اس لئے آپ نے یہ باب التحریف والخیانت قائم کر رکھا ہے جو علمائے حق کے شایان شان نہیں بلکہ ان کے طرز زندگی سے کوسوں دور ہے۔ (الشہاب ص ۱۱)

اور پھر آگے (ص ۱۶) میں لکھتے ہیں: ''(ص ۹۷) میں فرماتے ہیں یعنی فتاویٰ غرائب کو جو حوالہ منکرین سماع موتی حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف نسبت کرتے ہیں وہ بے اصل ہے۔ شاباش:

ایں کار از تو آید ومرداں چنیں کنند

یہ تمام اکابر حضرات اصل کو چھوڑ کر بے اصل کو لے رہے ہیں۔ اصل صرف آپ کو ہی سوجھا۔ اگر آپ کی یہ تحقیق ہے کہ یہ بے اصل ہے تو آپ اپنے ذمہ لگائیں۔ ان حضرات کی عبارات کی اپنی طرف سے تردید کریں تو آپ کی مرضی، مگر تحریف تو نہ کریں۔''

الجواب: محترم جناب قاضی صاحب جذبات کی رو میں بہہ گئے ہیں اور اصل بات کو سمجھنے کی قطعاً کوشش ہی نہیں کی اور خیر سے رونا ہماری فہم کا رو رہے ہیں کہ ہم بات نہیں سمجھتے یا تحریف اور بددیانتی سے کام لیتے ہیں۔ (نعوذ باللہ تعالیٰ من ذالک ومن سوء الفھم) ہم نے فتاویٰ دارالعلوم کا حوالہ اس لئے نہیں پیش کیا کہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ سماع موتی کے قائل ہیں۔ حاشا وکلا! جیسا کہ جناب قاضی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ اب آپ اندازہ کریں کہ جب حضرت مفتی صاحب مرحوم ان کو عدم سماع پر نص قطعی قرار دیتے ہیں تو خود سماع کا قول کر کے نص قطعی کا خلاف کریں گے؟ آپ کو یہ اختیار ہے کہ آپ مفتی صاحب مرحوم پر جرح کریں۔''

ہم نے کہیں بھی یہ نہیں کہا کہ حضرت مفتی صاحب سماع موتی کے قائل ہیں۔ وہ اس اختلافی مسئلہ میں عدم سماع کے پہلو کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ ہمارے ذمہ یہ لگانا کہ ہم حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو سماع موتی کے قائل کہتے ہیں نرا بہتان ہے۔ ہم نے حضرت مفتی صاحب کی یہ عبارت ایک تو اس لئے نقل کی ہے کہ نیلوی صاحب کا یہ بے بنیاد دعویٰ ہے کہ اور عدم سماع موتی پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا۔ (ندائے حق ص ۱۵۱)

ہم نے نیلوی صاحب کے اس باطل دعویٰ کی تردید کے لئے جہاں اور واضح اور صریح عبارات نقل کی ہیں وہاں (سماع الموتی ص ۸۸) میں فتاویٰ دارالعلوم کی یہ مفصل عبارت بھی نقل کی ہے۔

الجواب: (۱ تا ۴) سماع موتی میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہے۔ بہت سے ائمہ سماع موتی کے قائل ہیں اور حنفیہ کی کتب میں بعض مسائل ایسے موجود ہیں (یعنی مسئلہ یمین۔ صفدر) جن سے عدم سماع موتی معلوم ہوتا ہے۔ مگر امام صاحب رحمہ اللہ سے کوئی تصریح اس بارہ میں نقل نہیں کرتے اور استدلال عدم سماع کا آیت: ''انک لا تسمع الموتیٰ'' وغیرہ سے کرتے ہیں اور مجوزین کا استدلال حدیث: ''ماانت بمسمع منھم'' اور حدیث سماع قرع نعال سے ہے اور آیت مذکورہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نفی سماع قبول کی ہے۔ غرض یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قول فیصل ہونا اس میں دشوار ہے۔ پس عوام کو سکوت اس میں مناسب ہے۔ جب کہ علماء کو بھی اس میں تردد ہے اور دلائل فریقین موجود ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ج ۵ ص ۴۶۱ طبع دیوبند)

اور دوسرے اس لئے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے عدم سماع موتی کے بارے میں کوئی تصریح موجود نہیں ہے۔ اس فتویٰ کو نقل کر کے ہم نے یہ لکھا ہے کہ اس فتویٰ سے یہ امور بصراحت معلوم ہوتے ہیں۔

۱ ...... یہ مسئلہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تاہنوز اختلافی چلا آ رہا ہے۔

۲...... اور فریقین کے پاس دلائل موجود ہیں۔

۳...... فقہ حنفی کی کتب میں بعض مسائل سے عدم سماع موتی معلوم ہوتا ہے۔

۴...... لیکن حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس بارہ میں کچھ منقول نہیں (یعنی فتاویٰ غرائب کا جو حوالہ منکرین سماع موتی حضرت امام صاحب کی طرف نسبت کرتے ہیں وہ بے اصل ہے۔'' (سماع الموتی ص ۸۸، ۸۹)

اور (سماع الموتی ص ۳۲۸) میں ہم نے فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ دارالعلوم کا یہ حوالہ نقل کر کے آخر میں لکھا ہے کہ ان تمام جاندار اور شاندار حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوگئی کہ فتاویٰ غرائب کے اس حوالہ کا حضرت امام صاحب رحمہ اللہ سے قطعاً کوئی ثبوت نہیں۔''

اب قارئین کرام ہی انصاف سے فرمائیں کہ ہم نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ کی عبارت میں کون سی خیانت اور بددیانتی کی ہے؟ اور کون سا باب التحریف والخیانت قائم کیا ہے؟ اور ہم نے کون سی بات ان کے ذمہ لگائی ہے جو انہوں نے نہیں فرمائی؟ حضرت قاضی صاحب کو خود انصاف سے کام لینا چاہئے کہ وہ ہم پر بلا وجہ خائن اور محرف ہونے کا الزام اور بہتان لگاتے ہیں اور ساتھ ساتھ وعظ بھی فرماتے ہیں کہ یہ علمائے حق کے شایان شان نہیں ہے اور ان کی طرز زندگی سے کوسوں دور ہے۔ حضرت قاضی صاحب ہمیں تو آخرت اور قیامت کی فکر کا سبق سناتے ہیں مگر خود اس آخر عمر میں بھی اپنے حواریوں کو خوش کرنے کے لئے ہم پر بہتان تراشی کرتے ہیں۔

ثبوت قطعی اور دلالت قطعی میں فرق نہ کرنا

جناب قاضی صاحب کا یہ ارشاد بھی قابل توجہ ہے کہ وہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا کہ: ''سماع موتی ثابت نہیں بلکہ عدم سماع پر نص قطعی وارد ہے۔'' یہ مطلب لیتے ہیں کہ: ''اور یہ کہیں کہ مفتی صاحب رحمہ اللہ کا اس آیت کو عدم سماع موتی پر دال نص قطعی کہنا غلط ہے۔'' جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کریمات کی دلالت عدم سماع پر نص قطعی ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تو یہ فرماتے ہیں عدم سماع اور لاتسمع الموتی پر نص قطعی وارد ہے۔ اس میں کیا شک ہے۔ نصوص قرآنیہ تو تمام ہی قطعیات میں نزاع نص قطعی کے وارد ہونے کا نہیں ہے۔ نزاع اس میں ہے کہ اس معنی میں دلالت بھی نص قطعی ہے؟ خود حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اپنی عبارت اس نکتہ کو حل کرتی ہے۔ ذیل کے امور ملاحظہ کریں:

۱...... یہ مسئلہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے تا ہنوز اختلافی چلا آرہا ہے۔

۲...... بہت سے ائمہ سماع کے قائل ہیں۔ یعنی سماع موتی کے قائلین حضرات عدم سماع موتی پر ان آیات کی دلالت کو قطعی نہیں مانتے ورنہ ان کے مفہوم سے اختلاف کا کیا مطلب؟

۳...... عدم سماع والے انک لاتسمع الموتی وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں۔ علماء کرام تو کیا مبتدی طالب علم بھی یہ جانتے ہیں کہ نص قطعی سے استدلال کرنے کا مفہوم اور ہے اور مطلوب معنی اور مراد پر اس نص کے قطعی طور پر دلالت کرنے کا مطلب اور ہے۔

۴...... مجوزین سماع موتی ''ماانتم باسمع منهم'' اور حدیث ''سماع قرع نعال'' سے استدلال کرتے ہیں۔یعنی اگر ان آیات کریمات کی عدم سماع موتی کے معنی پر دلالت قطعی ہوتو پھر ایک توصحیح احادیث کا قرآن کریم کے مفہوم سے تعارض ہوگا اور دوسرے اگر قائلین سماع موتی عدم سماع کے معنی پر دلالت قطعی تسلیم کرتے تو اس سے اختلاف کرتے ہوئے احادیث سے استدلال نہ کرتے۔اس سے صاف عیاں ہوا کہ یہ حضرات عدم سماع موتی کے معنی پر اس کی دلالت کوقطعی نہیں مانتے۔

۵...... خود حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ قائلین سماع موتی کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے آیت کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اس سے سماع قبول (اور سماع انتفاع کی نفی مراد لیتے ہیں۔اس سے صاف ظاہر ہوا کہ اس معنی کی بھی گنجائش ہے اور قطعی الدلالت معنی میں دوسرے معنی کا احتمال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۶...... غرض یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قول فیصل ہونا اس میں دشوار ہے۔اگر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک آیت مذکورہ کی عدم سماع کے معنی پر دلالت قطعی ہوتی تو فیصلہ کرنا بالکل سہل ہوتا۔اس میں کوئی دشواری نہ ہوتی اور یوں فرمادیتے کہ نص قطعی کی عدم سماع موتی کے معنی پر دلالت قطعی ہے۔اس لئے کسی اور معنی کی اس میں سرے سے گنجائش ہی نہیں ہے۔

۷...... عوام کو اس میں سکوت کرنا چاہئے جب کہ علماء کو بھی اس میں تردد ہے۔اگر عدم سماع موتی کے معنی پر دلالت قطعی ہوتی تو سکوت کا کوئی معنی نہیں کیونکہ قطعی معنی کے خلاف سکوت کا کیا مطلب ہے؟

۸...... اور دلائل فریقین موجود ہیں۔اس سے واضح ہوا کہ آیت کا یہ معنی قطعی نہیں ورنہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت کے مقابلہ میں کوئی دلیل، دلیل ہی نہیں وہ نرا شبہ ہے، جو مردود ہے۔

ان تمام اندرونی قرائن سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ لاتسمع الموتی کا ثبوت اور درود تو قطعی ہے۔لیکن عدم سماع موتی کے معنی پر اس کی دلالت قطعی نہیں ہے۔مگر حیرت ہے کہ جناب قاضی صاحب دال کا لفظ بول کر دلالت کو قطعی قرار دیتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا جناب قاضی صاحب کے نزدیک حضرت نانوتوی رحمہ اللہ (بلکہ خود حضرت گنگوہی رحمہ اللہ بھی جو دفن کے فوراً بعد بہت سی احادیث کی روشنی میں سماع موتی کے قائل ہیں) حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب، حضرت تھانوی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا عبد الحق حقانی، حضرت مولانا عبد الحئی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوری وغیرہم (رحمہم اللہ) حضرات مسلکاً پختہ دیو بندی نہیں تھے جو عام موتی کے سماع کے قائل ہیں اور ان کی واضح اور صریح عبارات سماع الموتی میں مذکورہ ہیں جن سے قاضی صاحب نے بالکل آنکھیں بند کر لیں ہیں اور نہ توکسی عبارت کا جواب دیا ہے اور نہ ہی ان کا ذکر تک کیا ہے تاکہ حواری بدظن نہ ہوجائیں۔کیا یہ سارے حضرات سماع موتی کے پہلو کو ترجیح دیتے ہیں یا عدم سماع کے پہلو کو؟ نیز آپ ان سے پوچھئے کہ سماع موتی کا چرچا کر کے خلاف دیانت اور خلاف احتیاط کام ان حضرات نے کیوں کیا ہے اور سماع موتی کا قول اختیار کر کے انہوں نے باب التحریف والخیانت کیوں قائم کیا ہے؟ کیا ان حضرات کی یہ کارروائی علمائے حق کے شایان شان ہے یا ان کی طرز زندگی سے کوسوں دور ہے؟

کیا حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب سماع موتی کے منکر تھے؟

محترم جناب قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ اب حضرت استاذ مکرم مولانا محمد انور شاہ صاحب مرحوم کی ایک عبارت ملاحظہ ہو۔ وہ عبارت یہ ہے: ''مشکلات القرآن (سورۃ البقرہ ص۹) بلکہ تحقیق آنست کہ معنی حیات تعلق روح ببدن است و در قبر اصلاً تعلق روح ببدن نیست بلکہ بقاء شعور وادراک رابعد از مفارقت از بدن تعبیر بحیات فرمودہ اند۔''

اسی تحقیق اور حقیقت کی بنا پر آپ نے فرمایا: ''ان الضابطة انما هو عدم السماع لكن المستثنيات في هذا الباب كثيرة'' (فتح الملہم ج۲ ص۴۷۹)

جس ضابطے اور اس عبارت کی تحریف مولانا ابوالزاہد نے ایسے بودے اور گندے طریقے سے کی ہے جس کی حد نہیں۔ اللہ کے بندے جس بزرگ کا یہ عقیدہ ہو کہ در قبر اصلاً تعلق روح ببدن نیست اس کے نزدیک ضابطہ عدم سماع نہ ہو تو اور کیا ہو۔ مولانا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ کچھ خیال کریں۔ محدث اور صدر مدرس اور تحریفات اور خیانات کا یہ انبار الامان الامان! (ص ۲۰ و ۲۱)

اور (ص ۱۳) میں لکھتے ہیں کہ: ''مولانا موصوف ابوالزاہد سرفراز صاحب مصنف فیوضات حسینی نے باب التحریف والخیانت سے کام لے خوب بگاڑا ہے۔''

الجواب: محترم جناب قاضی صاحب نے فکر آخرت اور خدا خوفی سے بالکل بے نیاز ہو کر یہ تحریر فرمایا ہے ورنہ وہ کبھی ایسی لایعنی کارروائی نہ کرتے۔ ذیل کے امور دیکھیں۔

اوّل ہم نے (سماع الموتی ص ۱۷۰ تا ۱۹۰) میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کی سماع الموتی کے بارے میں متعدد صریح عبارتیں نقل کی ہیں جن سے لاجواب ہو کر جناب قاضی صاحب بلاوجہ طیش میں آ گئے ہیں۔ صرف چند عبارتیں ہم یہاں عرض کرتے ہیں۔ باقی آپ سماع الموتی میں ملاحظہ فرمالیں۔

۱...... ''قوله السلام عليكم الخ ظاهر حديث الباب وغيره من كثير من الاحاديث يدل على سماع الموتى واشهر على السنة الناس ان الموتى ليس لهم سماع عند ابى حنيفة الى ان قال والمحقق ان ابا حنيفة لا ينكر سمع الاموات وان خالف ابن الهمام وقال ان الموتى لا تسمع وان ذخيرة الحديث تدل على سمع الموتى'' آنحضرت ﷺ کا مردوں کو السلام علیکم کہنا۔ اس باب کی یہ حدیث اور اس کے علاوہ اور بہت سی حدیثوں کا ظاہر اسی کو چاہتا ہے کہ مردے سنتے ہیں اور کچھ لوگوں کی زبانوں پر یہ مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مردے نہیں سنتے۔ (پھر آگے فرمایا) اور تحقیقی بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سماع موتی کے منکر نہیں ہیں۔ اگرچہ ابن الھمام رحمہ اللہ نے مخالفت کی ہے اور یہ کہا ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ حالانکہ احادیث کا ذخیرہ سماع موتی پر دلالت کرتا ہے۔ (العرف الشذی ص ۳۵۳)

قارئین کرام! اس صریح عبارت کے پیش نظر انصاف سے فرمائیں کہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ سماع موتی کے قائل ہیں یا منکر ہیں؟ اور آپ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک کیا بیان فرماتے ہیں؟

۲...... حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ''من بعثنا من مرقدنا'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ثم ان الاية ترد على القائلين بنفي السماع لدلالته على الرقاد ونفي العذاب ايضاً فما ذا يصنعون بها فلا بدعليهم ان

یذکروا لھا وجھا فینبغی لھم ان یطلبوا وجھاً لایۃ نفی السماع ایضاً فان العذاب کما انہ متحقق کذالک السماع ایضاً متحقق فلا یغتر بامثال ھذہ النصوص فان لھا وجوھاً ومعانی''

پھر اس آیت کریمہ کے پیش نظر ان لوگوں پر اعتراض وارد ہوتا ہے جو سماع کی نفی کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کے سونے پر بھی دلالت کرتی ہے اور نفی عذاب پر بھی تو وہ اس نفی عذاب سے کیا کریں گے؟ سو ان کے لئے ضروری ہے کہ اس آیت کریمہ کی کوئی توجیہ بیان کریں اور ان کے لئے یہ بھی مناسب ہے کہ آیت نفی سماع کے لئے بھی کوئی حل تلاش کریں۔ کیونکہ جس طرح ان کے لئے عذاب ثابت ہے۔ اسی طرح ان کے لئے سماع بھی ثابت ہے۔ سو ایسی نصوص سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ ان کے اپنی جگہ پر معانی اور توجیہات موجود ہیں۔ (فیض الباری ج ۳ ص ۳۱۹)

اس عبارت میں بھی تصریح موجود ہے کہ مردوں کے لئے سماع محقق اور ثابت ہے۔

۳...... حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب فرماتے ہیں: ''وقال الشیخ ان الموتی لا تسمع ویستثنی منہ سمع قرع النعال والسلام علیکم اقول لو قلنا یسمع الموتی لا اشکال فانہ ثبت بقدر مشترک تواتراً فی الحدیث ولا نتعرض الی التخصیصات المتکلفۃ وسیما اذا لم یرو الانکار عن ائمتنا الثلاثۃ''

اور شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مردے نہیں سنتے مگر جوتیوں کی آواز کا سننا اور سلام کا سننا اس سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ کہیں کہ مردے سنتے ہیں تو اس میں سرے سے کوئی اشکال ہی نہیں کیونکہ قدر مشترک کے طور پر سماع موتی پر متواتر حدیثیں موجود ہیں اور ہم ان تخصیصات کے درپے نہیں ہوتے جو تکلفات پر مبنی ہیں۔ خصوصاً جب کہ سماع موتی کا انکار ہمارے تینوں اماموں سے وارد نہیں ہوا۔ (العرف الشذی ص ۳۵۳)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی یہ عبارت بھی بالکل واضح ہے کہ وہ حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ سے علمی طور پر رسہ کشی کرتے ہیں کہ وہ ضابطہ عدم سماع قرار دیتے ہیں۔ لیکن سماع قرع النعال اور السلام علیکم کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قدر مشترک متواتر حدیثیں سماع موتی پر دال ہیں۔ پھر ہمیں کیا مصیبت پڑی ہے کہ ہم استثناء اور تخصیص کے اس تکلف میں پڑیں، جب کہ ہمارے تینوں ائمہ کرام یعنی حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد (رحمہم اللہ) (جن پر فقہ حنفی کی مدار ہے) سے سماع موتی کا انکار ثابت نہیں ہے۔

۴...... حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''واما الشیخ ابن الھمام فجعل الاصل ھو النفی وکل موضع ثبت فیہ السماع جعلہ مستثنی ومقتصراً علی المورد قلت اذاً ما الفائدۃ فی عنوان النفی وما الفرق بین نفی السماع ثم الاستثناء فی مواضع کثیرۃ وادعاء التخصیص وبین اثبات السماع فی الجملۃ مع الاقرار باناّ لا ندری ضوابط اسماعھم فان الاحیاء اذا لم یسمعوا فی بعض الصور فمن ادعی الطرد فی الاموات ولذا قلت بالسماع فی الجملۃ'' (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷)

بہرحال شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے اصل اور ضابطہ نفیٔ سماع قرار دیا ہے اور وہ ہر ایسی جگہ جہاں سماع ثابت ہے۔ (مثلاً سماع قرع النعال اور سلام وغیرہ) اس کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اور اس کو اپنے مورد پر بند کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ پھر اس وقت نفی کے عنوان کا کیا فائدہ؟ اور کیا فرق نکلے گا نفی سماع کا اور پھر بہت سی جگہوں میں استثناء اور ادّعاء تخصیص کا اور فی الجملہ اثبات سماع کا؟ باوجود اس اقرار کے کہ ہم مردوں کو سنانے کے ضابطوں کو نہیں

جانتے۔ کیونکہ بسا اوقات زندہ لوگ بھی بعض صورتوں میں نہیں سنتے۔ پس مردوں میں ہمہ وقت سننے کا کون دعویٰ کر سکتا ہے؟ اور اسی لئے میں فی الجملہ سماع موتی کا قائل ہوں۔

یہ عبارت بھی بالکل روشن ہے کہ حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ ضابطہ اور اصل عدم سماع قرار دیتے اور سماع قرع النعال اور السلام علیکم وغیرہ کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ان سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پھر نفی سماع موتی اور بہت سی جگہوں میں سماع کو اس سے مستثنیٰ کرنے اور تخصیص کرنے کا کیا فائدہ نکلے گا اور اس ضابطہ کا معیار و مقیاس کیا ہے؟ جب کہ زندہ آدمی بھی جب اس کی توجہ نہ ہو بات نہیں سنا کرتا تو مردوں میں ہمہ وقت سماع کا کوئی دعویٰ کرتا یا سکتا ہے؟ اور صاف فرماتے ہیں کہ میں سماع موتی کا قائل ہوں۔

اب ہم اہل علم کو علم کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ کیا حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب فی الجملہ سماع موتی کے قائل ہیں یا منکر؟ اور کیا آپ ضابطہ عدم سماع بیان کرتے ہیں یا اس ضابطہ کو توڑتے ہیں؟ اور کیا ہم نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارات میں تحریفات اور خیانات کا انبار لگایا ہے یا محترم جناب قاضی صاحب ہم پر محرف اور خائن ہونے کا صریح بہتان لگا رہے ہیں؟ یہ فیصلہ قارئین کرام پر ہے۔

اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ کسی مصنف کی کسی مجمل عبارت کو خود اس کی مفصل عبارات کی روشنی میں حل کرنا اگر بودا اور گندا طریقہ ہے تو مضبوط اور ستھرا طریقہ علمی طور پر دنیا میں کون سا ہے؟ خدارا انصاف سے فرمائیں کہ محترم جناب قاضی صاحب نے اس پیرانہ سالی میں یہ کیا فرما دیا؟ حضرت شاہ صاحب کی مزید عبارات سماع الموتی میں زیادہ مفصل طور پر ذکر کی گئی ہیں جن سے لاجواب ہو کر محترم قاضی صاحب انہیں تحریفات اور خیانات کے انبار سے تعبیر کر کے اور بودے اور گندے طریقے سے ذکر کر کے جان چھڑانا چاہتے ہیں جو علماء کی شان سے کوسوں دور ہے۔

۵...... ہم نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مفصل حوالے سماع الموتی میں بیان کر کے لکھا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے بیان اور تقریر کو پیش نظر رکھتے ہوئے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فتح الملہم کی اس عبارت میں ان کا صحیح مفہوم ادا نہیں کیا جا سکا۔ وھذا معنی ما قالہ الشیخ الانور ان الضابطۃ انما ھو عدم السماع لکن المستثنیات فی ھذا الباب کثیرۃ! (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹)

اور یہ معنی ہے جو کچھ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ ضابطہ تو عدم سماع ہے لیکن اس باب میں بہت سی اشیاء (مثلاً سلام وغیرہ) اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تقریر سے ظاہر ہے کہ وہ یہ ضابطہ تسلیم اور بیان نہیں فرما رہے بلکہ یہ ضابطہ انہوں نے حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور پھر اس پر گرفت کی ہے اور ان سے رسہ کشی کرتے ہوئے ان پر مضبوط علمی تنقید کی ہے۔ جیسا کہ ان کی تقریر سے بالکل ظاہر ہے اور یہ کسی بھی اہل علم پر مخفی نہیں۔ باقی مجذوبوں کو سمجھانا مشکل ہے۔ (سماع الموتی ص ۱۷۹)

الغرض فتح الملہم کی اس عبارت میں سقم اور فروگزاشت ہے۔ اصل عبارت یوں ہونی چاہئے: ”وھذا معنی ما قالہ الشیخ الانور ناقلاً عن ابن الھمام ان الضابطۃ“

الحاصل یہ ضابطہ شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ کا بیان کردہ ہے۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ اس سے قطعاً متفق نہیں ہیں۔ جیسا کہ بالکل عیاں ہے۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کی ان صریح عبارات

میں سماع موتی کا کھلے اور زور دار الفاظ میں سماع موتی کا اثبات اور اقرار بھی ملاحظہ کریں اور جناب قاضی صاحب کی یہ سینہ زوری بھی دیکھ لیں۔ وہ فرماتے ہیں: ''اور شاہ صاحب مرحوم کی عبارت میں یہ تصریح اظہر من الشمس ہے دیکھولو وانکرھا حنفیۃ العصر اس کا کیا معنی؟ انکار کیا انکار کیا یہ (یعنی ابوالزاہد محمد سرفراز) کہہ رہے ہیں کہ اقرار کیا کہہ رہے ہیں۔'' (بلفظہ الشہاب ص ۶۸) معاف رکھنا حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا انکار سماع موتی اظہر من الشمس تو کیا ثابت ہوتا، ان کی عبارات میں انکار سماع موتی کی طرف ذرہ بھر اشارہ تک بھی موجود نہیں ہے بلکہ ان کی صریح عبارات سماع موتی پر نص ہیں۔ ہاں! ان کے ہم عصر کچھ احناف غلط فہمی کا شکار ہو کر یہ کہتے تھے کہ سماع موتی نہیں اور غالباً ان کے انکار کی وجہ وہ قول ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف بلاوجہ منسوب ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ حالانکہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ سے ایسی کوئی چیز منقول نہیں جیسا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فتاویٰ رشیدیہ میں اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ نے عزیز الفتاویٰ میں اجمالاً اس کا تذکرہ فرمایا ہے اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بحوالہ رسالہ حضرت ملا علی القاری واضح الفاظ میں اس کا رد کیا ہے کہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ یا آپ کے تلامذہ میں کوئی سماع موتی کا منکر ہو۔

دوم: حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''ثم السوال عندی یکون بالجسد مع الروح کما اشار الیہ صاحب الھدایۃ فی الایمان'' پھر سوال (قبر میں) میرے نزدیک جسم مع الروح سے ہوتا ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے کتاب الایمان میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۵)

اس عبارت سے واضح ہوا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک قبر میں سوال جسم مع الروح دونوں سے ہوتا ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ روح کا جسم سے تعلق ہو۔

۲...... خود حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں کہ: ''ثم لاھل السنۃ قولان قیل ان العذاب للروح فقط وقیل للروح والجسد والمشھور الثانی اختارہ اکثر شارحی الھدایۃ وھو المختار وان صار البدن ذرۃ ذرۃ فان الشعور لکل شئ عند جمھور الائمۃ'' (العرف الشذی ص ۳۵۵)

پھر اہل سنت کے دو قول ہیں: ''ایک یہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ مشہور یہی قول ہے اور ہدایہ کے اکثر شارحین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور (میرے نزدیک بھی) یہی مختار ہے۔ اگرچہ بدن ذرہ ذرہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ کیونکہ جمہور امت کے نزدیک شعور ہر چیز کو ہے۔ یہ حوالہ بھی بالکل واضح ہے کہ قبر میں عذاب و راحت جسم اور روح دونوں کو حاصل ہے اور یہی قول حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا مختار ہے یہ اور اس سے مزید صریح حوالے ہم نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے (تسکین الصدور ص ۱۸۹ تا ۱۹۴) میں نقل کئے ہیں۔ ان صریح حوالوں کی موجودگی میں یہ دعویٰ کرنا کہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ قبر میں جسم کے ساتھ روح کا کوئی تعلق نہیں مانتے، قطعاً غلط ہے۔

سوم: حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مشکلات القرآن میں جو عبارت نقل کی ہے وہ حضرت کی اپنی نہیں بلکہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ہے بلکہ ''تحقیق آنست'' سے لے کر ''فرمودہ اند'' کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں ''پس حمل حیات قبر برمجازیت متعین است لاغیر''

(تفسیر عزیزی ص ۱۷۶ بر حاشیہ قرآن کریم و تسکین القلوب ص ۳۹)

اب ہم حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کی خود اپنی بے شمار عبارات میں سے جو ہم نے تسکین الصدور میں نقل کی ہیں چند نہایت اختصار سے یہاں عرض کرتے ہیں۔

۱...... زیرا کہ ارواح را تعلق بہ بدن خود کہ در قبر مدفون است البتہ میباشد زیرا کہ مدت دراز دریں بدن بودہ اند۔ (تفسیر عزیزی ج۱ ص ۳۴۳ طبع مجتبائی دہلی)

اس لئے کہ ارواح کا اپنے ابدان کے ساتھ جو قبر میں مدفون ہیں۔ یقیناً تعلق ہوتا ہے کیونکہ مدت دراز تک وہ ارواح ان ابدان میں رہ چکی ہیں۔ یہ عبارت یہ بات واضح کرتی ہے کہ قبر میں بدن کے ساتھ روح کا باقاعدہ تعلق ہوتا ہے۔

۲...... وبالجملہ بعد ازاں کہ ثابت شد کہ روح باقی است واورا تعلقے خاص باجزائے بدن بعد مفارقت از وے وتغیر کیفیت وے نیز باقی است کہ بداں علم وشعور بزائران قبر واحوال ایشاں دارد‘‘

اور بالجملہ جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ روح باقی ہے اور اس کا ایک خاص تعلق اجزائے بدن کے ساتھ اس سے مفارقت اور تغیر کیفیت کے بعد بھی باقی ہے کہ اس تعلق کی وجہ سے اس میں علم اور شعور ہوتا ہے جس سے قبر کی زیارت کرنے والوں اوران کے احوال سے آگاہی ہوتی ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۱۰۸ طبع مجتبائی دہلی)

یہ حوالہ بھی بالکل واضح ہے کہ قبر میں روح کا ایسا تعلق جس سے ادراک وشعور اور علم حاصل ہو بدستور باقی رہتا ہے جس سے زیارت کرنے والوں کی شناخت ہوتی ہے۔ نیز حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ مردوں کے دفن کرنے کی تائید اور جلانے کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

۳...... ونیز درسوختن بآتش تفریق اجزائے بدن است کہ بسبب آں علاقۂ روح از بدن انقطاع کلی مے پذیرد الیٰ قولہ ودر دفن کردن چوں اجزائے بدن بتمامہ یک جا میباشد علاقہ روح بابدن از راہ نظر وعنایت بحال می ماند وتوجہ روح بزائرین ومستانسین ومستفیدین بسہولت میشود‘‘ (تفسیر عزیزی پارہ عم ص ۶۱ طبع حیدری بمبئی)

اور نیز آگ میں جلانے سے بدن کے اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں اور اس وجہ سے روح کا تعلق بدن سے کلی طور پر منقطع ہو جاتا ہے۔ (پھر آگے فرمایا) اور دفن کرنے میں چونکہ بدن کے اجزاء بتمامہا یک جا ہوتے ہیں۔ اس لئے روح کا بدن کے ساتھ تعلق از راہ نظر وعنایت اپنے حال پر رہتا ہے اور روح کی توجہ زیارت کرنے والوں اور انس حاصل کرنے والوں اور استفادہ کرنے والوں کی طرف آسانی سے ہوتی ہے۔

چونکہ مسلمان مردوں کو دفن کرتے ہیں، جلاتے نہیں۔ اس لئے اس عبارت کے پیش نظر ان کی ارواح کا ان کے ابدان کے ساتھ قبر میں تعلق ثابت ہے جس سے سلام وغیرہ کا سماع متحقق ہے۔

۴...... ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ’’اللہ تعالیٰ روح آں میت را بقدریکہ ادراک وتالم وتلذذ ازو حاصل شود بہ بدنے از ابدان عنصریہ موجودہ یا مثالیہ مخترعہ متعلق میسازد۔‘‘ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۸۴ طبع لکھنؤ)

اللہ تعالیٰ اس میت کی روح کو اس انداز سے کہ ادراک اور تکلیف اور لذت اسے حاصل ہو اور ابدان عنصریہ میں سے موجود بدن کے ساتھ یا (بصورت بدن عنصری کے جل جانے کے) ابدان مثالیہ مخترعہ سے متعلق کر دیتا ہے۔

اس عبارت سے بھی عیاں ہوا کہ ابدان عنصریہ سے بھی ارواح کا تعلق بدستور قائم رہتا ہے۔

۵...... وتعلقے بہ قبر نیز ایں ارواح را میباشد کہ بحضور زیادت کنندگاں واقارب ودیگر دوستاں بر قبر مطلع ومستانس میگردند" اوران کا ارواح کا قبر کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کی زیارت کے لئے آتے ہیں اور جو ان کے اقارب اور دوسرے دوست حاضر ہوتے ہیں ان کی آمد سے وہ مطلع اوران سے مانوس ہوتے ہیں۔ (تفسیر عزیزی پارہ ۳۰ ص ۱۲۵)

یعنی ارواح علیین میں ہوں یا سجین میں ان کا ابدان کے ساتھ قبر میں بدستور تعلق رہتا ہے جس سے انہیں ادراک وشعور اور علم حاصل ہوتا ہے اور زیارت کرنے والوں کے حالات سے بصورت سلام وکلام یا عرض اعمال وہ مطلع ہوتے رہتے ہیں اور اموات کے لئے یہ ادراک وشعور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اس قدر اور اتنا واضح اور ضروری ہے کہ وہ لکھتے ہیں: "بالجملہ انکار شعور وادراک اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن اوشبہ نیست۔"

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۸۸)

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر اموات کے ادراک وشعور کا انکار کفر نہ ہو تو اس کے الحاد ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔

۶...... "در قبر احیاء واماتت حقیقیہ نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلقے پیدا می شود کہ تغذیہ تنمیہ بدن ہمراہ آن نمی باشد تا معنی حیات متحقق باشد۔" (تحفۂ اثنا عشریہ ص ۳۸۲)

قبر میں زندہ کرنا اور مارنا حقیقی نہیں (بلکہ) بدن پر روح کی شعاعوں کے عکس اور پرتو پڑنے کے سبب سے روح کا بدن کے ساتھ ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے کہ حاجت خوراک اور بدن کی نشو ونما کی اس کے ساتھ نہیں ہوتی۔ تاکہ (حقیقی) حیات کا معنی متحقق ہو۔

دنیا کی ظاہری، حقیقی اور حسی حیات میں عادۃً کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے اور بدن نشو ونما پاتا ہے لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قبر میں روح کے تعلق اور عکس سے گو حیات حاصل ہوتی ہے جس سے ادراک وشعور اور علم ہوتا ہے۔ لیکن بدن کو حسی خوراک کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ بدن نشو ونما پاتا ہے۔

۷...... "آرے روح را برائے تألم وتلذذ جسمانی واعمال حواس تعلقے بہ بدن خودش یا بہ بدن دیگر مثالی ورائے تعلق تدبیر وتصرف وتغذیہ وتنمیہ خواہند داد وحاصل آنکہ چوں روح از بدن جدا شد قوائے نباتی از وجدا میشود نہ قوائے انسانی وحیوانی۔" (تحفۂ اثنا عشریہ ص ۳۸۴)

ہاں! روح کا جسمانی دکھ اور لذت اٹھانے اور حواس کے اعمال کے لئے اپنے بدن (عنصری) کے ساتھ یا بدن مثالی کے ساتھ ایک تعلق ہوتا ہے لیکن یہ تعلق اس تعلق کے علاوہ ہے جس سے بدن کی تدبیر اور تصرف اور خوراک رسانی اور نشو ونما ہو اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بدن سے روح الگ ہو جاتی ہے تو نباتی (بڑھنے اور نشو ونما والی قوتیں) اس سے جدا ہو جاتی ہیں نفسانی اور زندگی کی قوتیں اس سے جدا نہیں ہوتیں۔

یعنی روح کا بدن سے حیات اور ادراک وشعور والا تعلق تو ہوتا ہے لیکن اس تعلق سے بدن کی تدبیر خوراک کی ضرورت اور نشو ونما والا تعلق نہیں ہوتا، جہاں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ روح کے بدن سے تعلق کی اصلاً نفی کرتے ہیں۔ اس سے یہی بدن کی تدبیر تغذیہ اور تنمیہ والا تعلق ہے۔ باقی ادراک وشعور والے تعلق کی نفی کو وہ کم ازکم الحاد کہتے ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ تحفۂ اثنا عشریہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی اپنی تصنیف نہ بھی ہوتا ہم یہ

کتاب ان کی مصدقہ ضرور ہے۔ لہٰذا جناب قاضی صاحب کا یہ فرمانا کوئی حقیقت نہیں رکھتا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تو خود لکھ دیا کہ تحفہ اثنا عشریہ میری تصنیف نہیں ایک افغانی عالم کی تصنیف ہے۔ میں نے صرف اس کو ترتیب دی ہے۔ (بلفظہ الشہاب ص ۸۴)

چہارم: ہم نے تفصیل سے عرض کر دیا ہے کہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بلکہ تحقیق آنست الخ کی عبارت بعینہا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ سے نقل کی ہے اور انہی کی پیروی میں یہ فرماتے ہیں اور ان کے ہاں بھی ''و در قبر اصلاً تعلق روح بہ بدن نیست'' کا وہی مطلب ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کا ہے جن کی واضح عبارتیں عرض کر دی گئی ہیں۔ اگر یہ مطلب نہ ہو بلکہ وہ مطلب ہو جو حضرت قاضی صاحب سمجھتے اور بیان کرتے ہیں تو یقیناً یہ مطلب حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اپنی صاف اور روشن عبارات کے خلاف ہے جیسا کہ کسی بھی اہل علم پر یہ مخفی نہیں۔ خوب ٹھنڈے دل سے علمائے کرام کو اور خود جناب قاضی صاحب کو اس پر غور کرنا چاہئے اور خود قاضی صاحب کی نقل کردہ عبارت میں یہ لفظ موجود ہیں۔

بلکہ بقاء شعور و ادراک روح را بعد از مفارقت از بدن تعبیر بہ حیات فرمودہ اند۔ الخ بلکہ بدن سے جدا ہونے کے بعد روح کے شعور اور ادراک کے باقی رہنے کو حیات سے تعبیر کر دیا ہے۔

ظاہر امر ہے کہ اگرچہ روح کا بدن سے تدبیر و تغذیہ و تنمیہ والا تعلق نہیں لیکن ادراک و شعور والا تعلق تو ہے اور اسی کا نام حیات اور جب ادراک و شعور ہے تو سماع کیوں نہیں۔

نری خوش فہمی یا مجذوبانہ بڑ

بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ یہ بات تسکین الصدور، سماع الموتی اور اسی پیش نظر کتاب میں عرض کر دی گئی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے عندالقبور سماع میں امت مسلمہ کا کوئی اختلاف نہیں رہا۔ اس اختلاف کے موجد دنیا میں سب سے پہلے شخص جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی ہیں۔ ہاں! عام اموات کے سماع اور عدم سماع کے بارے میں قرن اوّل سے تاہنوز اختلاف چلا آ رہا ہے۔ منکر بھی ہیں اور قائل بھی لیکن اکثر امت اور ہر مسلک اور ہر طبقہ کے علمائے کرام سماع کے قائل ہیں اور حضرات اکابر علماء دیوبند میں بھی اکثریت سماع کی قائل ہے۔ حوالے کچھ تو اس کتاب میں اور اکثر سماع الموتی میں عرض کر دیئے گئے ہیں۔ مگر مجذوب نیلوی صاحب نے شیخ چلی کا پلاؤ کھا کر ایک اختراعی فہرست تیار کی ہے جس میں پہلی صدی سے لے کر اس وقت تک کے اکابر کے نام درج کئے ہیں کہ یہ سب حضرات سماع موتی کے منکر ہیں۔ بلاشبہ ان میں سے بعض حضرات سماع موتی کے منکر ہیں اور ہمیں سب کی عبارات اصل کتابوں میں دیکھنے کا موقع نہیں ملا اور سماع موتی کی واضح اور صریح عبارات کی موجودگی میں اس جستجو کی ضرورت بھی نہیں سمجھی گئی۔ لیکن حیرت، تاسف اور تعجب تو اس امر پر ہے کہ جناب نیلوی صاحب نے سینہ زوری سے بہ جبر سماع موتی کے قائلین حضرات کو بھی منکرین سماع موتی کی گاڑی پر سوار کر دیا ہے اور عوام کو دھوکا دینے کی خاطر تکثیر سواد کا بالکل ہی ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور اٹھا رہے ہیں اور اس غلط بیانی پر سختی سے مصر ہیں۔

چنانچہ وہ (ندائے حق ص ۱۵۳) میں مطلقاً سماع موتی کے منکرین میں حافظ ابن الہمام، علامہ ابن القیم، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن کثیر، علامہ آلوسی، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی، شاہ محمد اسحاق، قاضی خان، شامی، مصنفین

فتاویٰ عالمگیری، ملا علی القاری علامہ بحر العلوم، مولانا نانوتوی اور مولانا تھانوی وغیرہ (رحمہم اللہ) حضرات کے نام بھی پیش اور نقل کرتے ہیں جو بالکل واقع کے خلاف ہے اور ہم نے ان حضرات کی عبارتیں سماع الموتی میں عرض کر دی ہیں اور مجذوب نیلوی صاحب نے (البیان الاوفی ص ۳۰ تا ۳۳) تک میں جو نام بھی انہیں کہیں سے دستیاب ہو سکے ہیں وہ انہوں نے منکرین سماع موتی میں جڑ دیئے ہیں۔ مثلاً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، علامہ عینی، علامہ علی القاری، حافظ ابن کثیر، علامہ آلوسی، قاضی ثناء اللہ صاحب، مولانا نانوتوی، مولانا گنگوہی، مولانا سید محمد انور شاہ صاحب، مولانا عثمانی (رحمہم اللہ) وغیرہ وغیرہ حضرات اور یہ نری کذب بیانی ہے اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔ ان حضرات کے کچھ حوالے اسی کتاب میں اور کچھ سماع الموتی میں بڑی وضاحت سے درج ہیں۔ وہیں ملاحظہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اور خصوصاً علماء کو سچ بولنے کی توفیق بخشے اور جھوٹ و فریب کاری سے بچائے۔ آمین ثم آمین!

بلغۃ الحیران[1] کا حوالہ

ہم نے (سماع الموتی ص ۱۶۸) میں پہلے حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے موضح القرآن کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی ہے اور حدیث میں ہے کہ: ''مردوں سے سلام علیک کرو۔ وہ سنتے ہیں اور بہت جگہ مردے کو خطاب کیا گیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ وہ نہیں سن سکتا۔'' اس کے بعد ہم نے (ص ۱۶۸) میں بلغۃ الحیران (ص ۲۵۷) کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی ہے: ''اور تحقیق سماع موتی کے متعلق یہ ہے کہ بدن نہیں سنتے جیسا کہ اس آیت (فانک لا تسمع الموتی) کی سے معلوم ہوتا ہے اور باقی آیات بھی دال عدم سماع موتی پر ہیں اور روح زندہ ہے وہ سنتا ہے جب قریب ہو۔ ہاں! نزاع امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس بات میں ہے کہ آیا روح قبور کے نزدیک ہے یا علیین میں۔ باقی پوری تحقیق کا یہ مقام نہیں۔'' اس کے بعد ہم نے لکھا ہے کہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قبر کے قریب اگر کوئی سلام وغیرہ کرے تو حضرت مرحوم کے نزدیک روح سنتی ہے۔ غور فرمائیے کہ فی الجملہ سماع موتی کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ باقی روح اگر علیین میں بھی ہو تو جمہور اہل السنۃ کے نزدیک اس کا تعلق قبر میں اس کے بدن کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ (تسکین الصدور ملاحظہ کریں)

---

[1] بلغۃ الحیران فی ربط آیات الفرقان حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی املائی تفسیر ہے جس کو ۱۳۴۹ھ میں مولانا سید نذر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (ملاحظہ ہو بلغہ ص ۱) اور مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (ملاحظہ ہو ص ۴) نے ضبط کیا ہے جس کی بعض عبارات پر مثلاً (ص ۱۵۷) کل فی کتاب مبین الخ کی عبارت پر عرصہ دراز سے اہل بدعت اعتراض کرتے ہیں جس کے جواب کی جناب قاضی صاحب کو توفیق نہیں ہوئی۔ وہ صرف اسی پر خوش ہیں کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن کریم پڑھا، سراجی پڑھی، درالمعارف اور مسلم و مثنوی کا کچھ حصہ پڑھا اور چوبیس سال ان کی خدمت میں جاتے رہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ راقم اثیم بھی حضرت کا خوشہ چین اور خاتم المریدین ہے اور ہدایت المرتاب میں ہم نے حضرت مرحوم کی عبارات کی روشنی میں اس کا مسکت جواب دیا ہے۔ طلباء کرام حضرت مرحوم کا ایک اور حوالہ بھی دیکھ لیں۔

عالم بمعلومات غیر متناھیۃ قادر بمقدورات غیر متناھیۃ خلاف ما ادعت المعتزلۃ من ان کل ذالک متناھیۃ (تحریرات حدیث ص ۲۵۸) اللہ تعالیٰ غیر متناہی معلومات کا عالم اور غیر متناہی مقدورات پر قادر ہے۔ بخلاف اس کے معتزلہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ متناہی ہے۔

خود امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ ﷫ (نعمان بن ثابت ﷫) المتوفی ۱۵۰ھ اپنی کتاب فقہ اکبر میں تصریح فرماتے ہیں کہ: ''اعادۃ الروح الی العبد فی قبرہ حق'' (الفقہ الاکبر مع الشرح لعلی القاری ص ۱۲۰ طبع کانپور)

قبر میں روح کا بندے کی طرف لوٹایا جانا حق ہے۔

اور کیوں حق نہ ہو جب صحیح احادیث سے اعادۂ روح الی البدن ثابت ہے۔ (تفصیل کے لئے تسکین الصدور دیکھئے) تو حضرت امام صاحب ﷫ بھلا ان صریح اور صحیح احادیث کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟ ہم نے البیان الازہر کے مقدمہ میں محققین علمائے اسلام کے حوالہ سے یہ بات عرض کر دی ہے کہ الفقہ الاکبر حضرت امام ابوحنیفہ ﷫ کی ہی تالیف[1] ہے۔ یہ دعویٰ کرنا کہ ان کی کتاب ہی نہیں تحقیق اور انصاف سے کوسوں دور ہے۔ (سماع الموتی ص ۱۶۸)

ہماری اس مفصل عبارت کو بھی دیکھیں اور جناب قاضی صاحب کا بلاوجہ واویلا بھی ملاحظہ کریں۔ وہ لکھتے ہیں اور تو اور آپ نے تو حضرت مولانا و مرشدنا حسین علی نور اللہ مرقدہٗ کی عبارت کو بھی تحریف اور خیانت سے نہیں بخشا۔ وہ فرماتے ہیں جسم مردہ نہیں سنتا روح قریب ہو تو سنتا ہے بعید ہو تو نہیں سنتا۔ امام شافعی ﷫ اور امام ابوحنیفہ ﷫ کا اختلاف اس میں ہے کہ امام شافعی ﷫ کے نزدیک روح قبر کے پاس رہتی ہے اور امام ابوحنیفہ ﷫ کے نزدیک علیین میں ہے۔ اب اس کا صاف مطلب ہے کہ جب کوئی قبر پر جا کر بات کرے گا تو روح سن لے گا۔ امام شافعی ﷫ کے نزدیک اس لئے کہ روح قریب ہے اور امام ابوحنیفہ ﷫ کے نزدیک نہیں سنے گا اس لئے کہ وہ روح سے اور قبر کے پاس کھڑا ہو کر بات کرنے والے سے دور ہے، علیین میں ہے۔

اب جناب اس میں کیا تحریف کرتے ہیں کہ قریب اور بعید کو صفت قبر کی بناتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب کوئی قبر کے پاس بات کرے گا تو مردہ سن لے گا۔ یعنی امام ابوحنیفہ ﷫ کے مذہب پر اس لئے کہ قریب ہے۔ یہ خلاصہ ہے آپ کی تحریف اور خیانت کا۔

اب مولانا موصوف سے بہ ادب تمام التماس ہے کہ آپ نے حضرت مرحوم کی عبارت کا صحیح مطلب جو بالکل واضح ہے وہ سمجھا نہیں یا سمجھا ہے اور جان بوجھ کر اس میں تحریف کی ہے۔ اگر پہلی صورت ہے تو ہم جیسے درسی کتابوں کو دیکھنے والے محدود علم والے سمجھ گئے ہیں اور متبحر فی العلوم نہ سمجھے۔ اگر دوسری صورت ہے تو گزارش ہے کہ خدارا ان کی عبارت کو تو معاف کر دیتے۔ پھر ہم جو چوبیس برس حضرت مرحوم کی خدمت میں جاتے رہے،

---

[1] مشہور محقق اور قدیم مؤرخ امام ابوالفرج محمد بن اسحاق بن ندیم ﷫ (المتوفی ۳۸۵ھ) لکھتے ہیں کہ: ''وله من الکتب الفقه الاکبر و کتاب العالم و المتعلم'' یعنی امام ابوحنیفہ ﷫ کی تالیفات میں الفقہ الاکبر اور کتاب العالم والمتعلم بھی ہے۔ (الفہرست لابن ندیم ص ۲۹۹ طبع مصر) اور علامہ احمد بن مصطفی المعروف بطاش کبریٰ زادہ الحنفی ﷫ (المتوفی ۹۶۲ھ) لکھتے ہیں کہ الفقہ الاکبر اور العالم والمتعلم امام ابوحنیفہ ﷫ کی ہی تالیف ہے۔

وما قیل انهما لیسا له بل لابی حنیفة البخاری فمن اختراعات المعتزلة اور جو یہ کہا گیا ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام ابوحنیفہ ﷫ کی نہیں بلکہ ابوحنیفہ البخاری کی ہیں تو یہ معتزلہ کے اختراعات میں سے ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ علامہ حافظ الدین البزازی، امام شمس الدین الکردری، فخر الاسلام البزدوی، شیخ عبد العزیز البخاری (﷭) اور جماعت کثیرہ من المشائخ سب الفقہ الاکبر اور کتاب العالم والمتعلم کو امام ابوحنیفہ ﷫ کی تالیف بتاتے ہیں۔ (مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۲۹)

حضرت سے قرآن کریم پڑھا، سراجی پڑھی، درالمعارف پڑھی، کچھ حصہ مسلم کا پڑھا، کچھ حصہ مثنوی مولانا روم کا پڑھا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ان کا کیا نظریہ تھا اور وہ کیا فرماتے تھے اور آپ کو گھر بیٹھے معلوم ہو گیا:

ان کنت لا تدری فذاک مصیبة وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

مولانا! اگر اتنی واضح عبارتیں بھی آپ نہیں سمجھتے تو مصیبت ہے اور اگر سمجھ کی تحریف اور خیانت کرتے ہیں تو اور بڑی مصیبت۔ جناب ہم بھی اساتذہ کرام کے اقوال کا کئی جگہ خلاف کرتے ہیں۔ لیکن ان کے اقوال کی تحریف نہیں کرتے۔'' (الشہاب ص ۱۶ و ۱۷) آگے (۱۷ تا ۲۰) تک چھ مثالیں اپنے اساتذہ کرام کے ساتھ اختلاف کی بیان کی ہیں۔ علمی طور پر ان پر خاصی اور قوی گرفت ہو سکتی ہے۔ لیکن ہم غیر متعلق امور میں الجھنا اور قارئین کرام کو الجھانا پسند نہیں کرتے۔

الجواب:

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی

قارئین کرام! ذیل کے امور کو ٹھنڈے دل سے ملاحظہ کریں تا کہ آپ بات کی تہہ کو پہنچ سکیں۔

۱...... حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے اپنی صوابدید کے مطابق قرآن کریم اور حدیث شریف میں تطبیق کی یہ صورت پیدا کی کہ قرآن کریم میں عدم سماع اس پر محمول ہے کہ جسم اور دھڑ نہیں سنتا اور حدیث سے جس سماع کا ثبوت ہے وہ روح کے سننے پر محمول ہے اور ان کی عبارت میں قبر کا لفظ بھی صراحۃً موجود ہے۔

۲...... حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ہی کی پیروی میں یہ لکھا ہے کہ روح سنتی ہے اور دھڑ نہیں سنتا۔

۳...... حضرت مرحوم عبدالقبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی خودنوشت تالیف میں حدیث سے استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: ''عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما منکم احد یسلم علیّ الّا ردّ اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام'' (تحریرات حدیث ص ۲۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی مجھ پر سلام نہیں کہتا مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر توجہ لوٹا دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اور نیز لکھتے ہیں: ''عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلّی عند قبری سمعتہ و من صلّی علیّ نائیاً ابلغتہ'' (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ ص ۱۵۲، تحریرات حدیث ص ۲۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے میری قبر کے پاس درود شریف پڑھا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے درود شریف پڑھا تو وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

حضرت مرحوم نے یہ حدیثیں پیش کی ہیں اور ان سے باقاعدہ استدلال کیا ہے جس سے صاف طور پر عیاں ہے کہ سماع قبر کے پاس سے ہوتا ہے نہ کہ علیین میں اور علیین تک جانے کی زندوں کے پاس رسائی ہی کہاں ہے۔

۴...... ہم نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اپنی کتاب الفقہ الاکبر کا حوالہ دیا ہے کہ قبر میں جسم کے اندر روح لوٹائی جاتی ہے۔ محترم جناب قاضی صاحب اس حوالے کو لاجواب ہو کر بالکل پی گئے ہیں اور اس کا ذکر تک نہیں کیا

اور (۴۶) میں صرف یہ تحریر فرما کر گلو خلاصی چاہی ہے کہ اس قبر سے مراد یہ گڑھا ہرگز نہیں بلکہ عالم برزخ ہے۔ خلط ملط نہ کریں۔ بلفظہٖ! ہم نے (تسکین الصدور ص ۸۱ تا ۸۳) میں قرآن کریم اور حدیث شریف کے واضح اور ٹھوس حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ قبر کا حقیقی معنی یہی گڑھا ہے۔ پھر (ص ۸۴) میں قبر کا مجازی معنی بیان کیا ہے۔ مگر اس کا کوئی جواب ابھی تک نہیں ملا۔

اگرچہ روح کا مستقر علیین یا سجین ہے لیکن روح کا جسم کے ساتھ باقاعدہ تعلق ہوتا ہے جس سے علم ادراک، شعور اور الم و راحت حاصل اور محسوس ہوتی ہے۔ ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ اس کی مفصل اور سیر حاصل بحث تسکین الصدور میں کر دی ہے۔ اب اختصاراً صرف فتاویٰ دارالعلوم کے دو حوالے عرض کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۳۱۲۳: مرنے کے بعد عذاب روح کو ہوتا ہے یا جسم کو؟ یا دونوں کو؟

الجواب: (۱) قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصل اس کا علیین یا سجین ہے۔ (۲) عذاب روح پر مع جسم کے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر احادیث سے ثابت ہے۔ فقط! (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ج پنجم ص ۴۲۶، ۴۲۷، دیوبند)

سوال نمبر ۲۱۹۴: مرنے کے بعد جو سوال وغیرہ ہوتے ہیں تو روح مرنے کے بعد آسمان پر چلی جاتی ہے پھر قبر میں لائی جاتی ہے یا جسم میں بند کر دی جاتی ہے؟

الجواب: جسم سے روح کا تعلق رہتا ہے۔ فقط! (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۳۶۲)

ان تمام صریح حوالوں سے ثابت ہوا کہ باوجود ارواح کے علیین یا سجین میں ہونے کے قبور میں اجسام کے ساتھ بھی ان کا باقاعدہ تعلق رہتا ہے اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: "فیجوز ان یقع المسئلة والعذاب والنعیم ببعض جسد المومن والکافر دون بقیة اجزائه وقیل ان اللہ تعالٰی یجمع تلک الاجزاء المتفرقة للضغطة والمسئلة کما یفعل ذالک للحشر" (تحریرات حدیث ص ۲۵۷)

سو جائز ہے کہ قبر میں سوال و عذاب اور راحت مومن اور کافر کے بعض جسم سے وابستہ اور متعلق ہو نہ کہ سب اجزاء سے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر کی تنگی اور سوال کے لئے ان متفرق اجزاء کو جمع کر دیتا ہے جیسا کہ وہ حشر کے دن ایسا کرے گا۔

حضرت مرحوم کی یہ عبارت اس بات پر صراحت سے دال ہے کہ مومن اور کافر کو قبر میں جو عذاب و راحت اور تنگی وغیرہ پیش آتی ہے اس میں جسم اور جسم کے متفرق اجزاء کا باقاعدہ تعلق ہوتا ہے۔ کیا جناب قاضی صاحب کے نزدیک یہ ساری کارروائی علیین اور سجین میں پیش آتی ہے؟ خدارا کچھ تو فرمایئے کہ بات کیا ہے؟

اور خود حضرت مرحوم لکھتے ہیں کہ: "المنکر والنکیر یاتیان المیت فیرسل فی ذالک المیت الروح ثم یقعد فاذا سئل ارسلت روحه بالالم و نؤمن بان المیت یعرف من یزوره اذا اتاه واکده یوم الجمعة بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس" جب منکر و نکیر میت کے پاس آتے ہیں تو اس میت میں روح ڈال دی جاتی ہے۔ پھر اس کو بٹھایا جاتا ہے جب اس سے سوال ہو چکتا ہے تو اس کی روح بلا تکلیف (ایک گونہ) نکال لی جاتی ہے اور ہم اس پر بھی ایمان رکھتے کہ جب میت کے پاس کوئی شخص زیارت کرنے کے لئے آتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتی ہے۔ خصوصاً جمعہ کے دن طلوع فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے۔ (تحریرات حدیث ص ۲۵۷)

یہ پہچاننا سلام اور کلام کے ذریعہ ہی سے ہوتا ہے نہ کہ رؤیت بصری سے۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ سوال نکرین کے بعد اگرچہ روح کا بدن سے وہ تعلق تو باقی نہیں رہتا جو سوال کے وقت ہوتا ہے اور اس قسم کا تعلق بدن سے منقطع ہوجاتا ہے لیکن فی الجملہ تعلق پھر بھی باقی رہتا ہے جس سے ادراک وشعور اسے حاصل ہوتا ہے اور زیارت کرنے والے کی شناخت اسے ہوجاتی ہے۔ کیا محترم قاضی صاحب کے ہاں زیارت کرنے والا علیین یا سجین میں جاکر زیارت کیا کرتا ہے یا قبر پر۔ ممکن ہے محترم قاضی صاحب یہ فرمادیں کہ جب آدمی چاند پر سے ہوآئے ہیں تو جمعہ کی چھٹی سے استفادہ کرتے ہوئے اگر کوئی زندہ علیین یا سجین میں جاکر ملاقات اور زیارت کرآئے اور سلام عرض کرآئے تو اس میں کیا اشکال ہے؟ معاف رکھنا اگر آپ نے حضرت صاحب رحمہ اللہ کے پاس چوبیس سال آتے جاتے یہی کچھ حاصل کیا ہے جو آپ نے پلے باندھ رکھا ہے تو آپ نے حضرت صاحب رحمہ اللہ سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا اور ہم نے بفضلہ تعالیٰ مختصر سے عرصہ میں بہت کچھ حاصل کرلیا ہے۔

اب قارئین کرام ہی انصاف سے فرمائیں کہ حضرت صاحب مرحوم کی عبارات کا مطلب ہم نہیں سمجھے یا جناب قاضی صاحب نہیں سمجھے؟ اور کیا ہم نے حضرت مرحوم کی عبارات میں تحریف وخیانت کی ہے؟ یا محترم قاضی صاحب یہ خدمت انجام دے رہے ہیں؟

آپ ہی خود اپنے جوروجفا کو دیکھیں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

کیا دلائل میں بھی تفرّد ہوتا ہے؟

محترم جناب قاضی صاحب لکھتے ہیں اور (ص ۳۱۲) پر حضرت مولانا حسین علی نوراللہ مرقدہ کا عدم سماع موتی پر حضرت عزیر علیہ السلام (فاماتہ اللہ مائۃ عام) کے قصہ سے استدلال کرنے کا نام تفرد رکھا ہے۔ اب تک تو ہم سنتے آئے ہیں کہ تفرد مسائل میں ہوتا ہے۔ اب دلائل میں بھی تفرّد ہونے لگا۔ چلو لغوی ہی سہی۔ پھر ایک مسلم معتمد علیہ محقق قرآن کریم سے استدلال کرتا ہے۔ آپ کہتے ہیں ان کا تفرّد ہے۔'' (الشہاب ص ۵۶، ۵۷) اور حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ بلغۃ الحیر ان کی عبارت نقل کرنے کے بعد مولانا مرحوم کے قول میں تحریف کرکے حضرت مرحوم کے ذمہ یہ لگا آئے کہ حضرت سماع کے قائل ہیں اور یہاں حضرت مرحوم نے جو اپنا نظریہ عدم سماع کی دلیل دی، اسے تفرّد کہہ رہے ہیں۔ یہ آپ کا باب التناقض ہے۔ (ص ۵۶)

الجواب: جناب قاضی صاحب کی عمر درسی کتابیں پڑھاتے گزرگئی ہے اور وہ اپنے آپ کو منطقی بھی تصور کرتے ہیں اور باب التناقض وغیرہ کی منطقی اصطلاحات بھی استعمال کرتے ہیں اور پھر دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ تفرد مسائل میں ہوتا ہے نہ کہ دلائل میں۔ علمی طور پر یہ عجیب دعویٰ ہے۔ ان کے اس غلط نظریہ کے رد کے لئے اختصاراً ہم یہاں صرف دو حوالے عرض کرتے ہیں۔

ا...... منطق ومعقول کی مشہور درسی کتاب سلم العلوم میں وھھنا شک مشہور سے ایک اعتراض کیا ہے کہ علم اور معلوم متحد بالذات ہیں اور جب ہم نے تصدیق کا تصور کیا تو وہ دونوں ایک ہوجائیں گے۔ حالاں کہ تصور اور تصدیق حقیقۃً متخالف ہیں۔ اس اشکال کا جواب علامہ محب اللہ بہاری رحمہ اللہ (المتوفی ھ) یہ دیتے ہیں: ''وحلہ علی ماتفردت بہ ان العلم فی مسئلۃ الاتحاد بمعنی الصورۃ العلمیۃ'' (سلم العلوم ص ۸ ومع ملاحسن ص ۲۸۰)

اور اس کا حل جس میں متفرد ہوں یہ ہے کہ مسئلہ اتحاد میں علم صورت علمیہ کے معنی میں ہے۔

اب جناب قاضی صاحب ہی فرمائیں کہ یہ تفرد دلیل میں ہے یا مسئلہ میں؟ فیصلہ انہی پر ہے۔ اگرچہ اس اشکال کا جواب السید الہروی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ قوشجی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دیا ہے۔ لیکن حالت ادراکیہ کے صورت علمیہ کے ساتھ خلط اتحادی کے صرف صاحب سلم ہی قائل ہیں اور اس دلیل اور جواب کے بیان کرنے میں وہ ہی متفرد ہیں۔ (فافہم)

۲...... علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۷ھ) اس پر بحث کرتے ہوئے کہ قرآن کریم میں السمٰوات کا لفظ جمع بھی آیا ہے (اور مفرد بھی) اور الارض کا لفظ قرآن کریم میں جمع نہیں آیا۔ (آتا تو ارضون ہوتا بعنقتین (نبراس ص ۱۱۳) متعدد توجیہات اور دلائل بیان کرنے کے بعد آخر میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ''ومنھا ان تعدد السموات معلوم للخاصۃ والعامۃ بالنظر الی الحرکات المختلفۃ بخلاف الارض فانہ انما علم من جھۃ الشرع وکذا کانت العرب تستعمل السموات جمعاً والارض مفرداً ثم نزل القرآن بلغتھم وھذا الوجہ من خواص الکتاب'' ان دلائل اور توجیہات میں سے یہ بھی ہے کہ حرکات مختلفہ کو دیکھنے کی وجہ سے آسمانوں کا تعدد خواص اور عوام کو معلوم ہے۔ بخلاف زمین کے کیونکہ اس کا تعدد شرع ہی سے معلوم ہوا ہے اور اسی طرح عرب سمٰوات کو جمع اور ارض کو مفرد استعمال کرتے تھے۔ پھر قرآن کریم انہی کی لغت میں نازل ہوا اور یہ دلیل اور وجہ اسی کتاب کے خواص میں سے ہے۔ (نبراس ص ۱۱۳)

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے سمٰوات کے تعدد کے دلائل پیش کئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ دلیل صرف اسی کتاب (نبراس) کے خواص میں سے ہے۔ معلوم ہوا کہ دلائل میں بھی تفرد ہوتا ہے۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بلاشک بڑے محقق، مواحد اور حق گو عالم تھے اور ہمارے پیر و مرشد ہیں لیکن معصوم تو نہیں۔ رفع سبابہ وغیرہ کے مسئلہ میں جناب قاضی صاحب خود ان سے اختلاف کرتے ہیں اور (الشہاب ص ۱۷ تا ۲۰) میں خود جناب قاضی صاحب نے اپنے اساتذہ کرام کے ساتھ (جن میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بزرگ ہیں) اختلاف کرنے کی مثالیں دی ہیں۔ کیا وہ ان کے محقق ہونے کے قائل نہیں ہیں؟ اور کیا چند مسائل یا دلائل میں کسی محقق سے علمی طور پر اختلاف کرنے سے وہ محقق ہونے سے نکل جاتے ہیں؟

تناقض

محترم قاضی صاحب ہماری عبارات میں تناقض ثابت ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک طرف تو وہ حضرت مرحوم کو سماع کا قائل بتاتے ہیں اور دوسری طرف عدم سماع موتی کی دلیل میں ان کے تفرد کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ آپ کا باب التناقض ہے۔ (محصلہ)

الجواب: گزارش ہے کہ بات صرف سمجھنے کی ہے حضرت مرحوم عندالقبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صلوٰۃ وسلام سننے اور جواب دینے کے تو قائل ہیں، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ میت زیارت کرنے والے کو (جو کہ ''السلام علیکم یا اہل القبور'' سے خطاب کرتا ہے۔ کیونکہ شرعاً قبور کی زیارت کا یہی معہود طریقہ ہے اور اس پر صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں۔ صفدر) پہچانتی ہے۔ خاص طور پر جمعہ کے دن طلوع فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے قبل (کما مر) تو اس تحقیق کے پیش نظر مطلب یہ ہوگا کہ مردے سلام تو سنتے ہیں مگر لوگوں کی استمداد

واستعانت کے لئے آوازیں نہیں سنتے۔ جیسا کہ اچھے اور نیک لوگ اچھی باتیں تو سنتے ہیں لیکن ریڈیو وغیرہ کی غیر شرعی آوازوں سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی یا جیسا کہ حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ عام سماع موتی نہیں لیکن آنحضرت ﷺ کے عند القبر سماع کو وہ مانتے ہیں اور السلام علیکم الخ اور حدیث سماع قرع النعال کو وہ بھی عام ضابطہ عدم سماع موتی سے استثناء کرتے ہیں یا جیسا کہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ قبور کے پاس سلام کے سماع کے قائل ہیں۔ (دیکھئے (مائۃ مسائل ص ۳۴) اور ان کی عبارت ہم نے (سماع الموتی ص ۲۲۷) میں نقل کردی ہے) اور دیگر باتوں کے سماع کے منکر ہیں۔ دیکھئے (مائۃ مسائل ص ۴۶) جن کی مفصل عبارت ہم نے (سماع الموتی ص ۳۳۵) میں نقل کردی ہے) یا جیسا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا رجحان عدم سماع موتی کی طرف ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع پر اجماع نقل کرتے ہیں اور بعد از دفن تلقین کے وقت احادیث کی روشنی میں سماع کے قائل ہیں۔ اسی طرح اگر حضرت مرحوم بھی زیارت مسنونہ کے وقت السلام علیکم کے خاص سماع کے قائل ہوں اور عام سماع کے منکر ہوں تو اس میں کیا تناقض ہے؟ جب موضوع خاص وعام سے بدل گیا تو تناقض نہ رہا۔

جناب قاضی صاحب خود مختلف احادیث میں تعارض رفع کرنے کے لئے موضوع کے تھوڑے سے تغیر وتبدل سے کام لے کر گاڑی چلاتے رہتے ہیں تو یہ تطبیق ان میں سے بعض سے زیادہ واضح ہے۔ اس میں کوئی خفاء نہیں ہے۔ کما لا یخفیٰ!

حدیث کے معنی میں تحریف کا الزام

جناب قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ: اور (۱۴۷) میں دوسری دلیل ذکر کرتے ہیں: ''سمع موتی والذی نفسی بیدہ انہ یسمع خفق نعالھم'' اور اس کا معنی کرتے ہیں اس ذات کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ ان کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے۔ یہاں موصوف نے حدیث کے معنی میں تحریف کی جو مقسم علیہ اس کو الحدیث کہہ کر چھوڑ دیا اور جو ظرف اور وقت مقسم علیہ اسے مقسم علیہ اور جواب قسم بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور حدیث کے معنی میں تو تحریف کرنے سے احتراز کرتے (یحرفون الکلم عن مواضعہ) کیا موصوف کے دماغ پر سمع موتی کا بھوت اتنا سوار ہو گیا کہ حدیث کے معنی میں تحریف کرنے پر اتر آئے۔ مرنا نہیں، جان نہیں دینی، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش نہیں ہونا۔'' (ص ۳۶)

الجواب: علم اور حقیقت سے بے خبر اور ناواقف آدمی جب جناب قاضی صاحب کی یہ عبارت پڑھے گا تو اس سے یہی سمجھے گا کہ واقعی مؤلف سماع الموتی نے حدیث کے معنی میں تحریف کرکے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ جناب قاضی صاحب پرانے مدرس ہیں اور خیر سے شیخ الحدیث بھی ہیں اور اب قبر اور آخرت کے بھی بظاہر بالکل قریب ہیں۔ لہٰذا وہ علمی غلطی اور غلط بیانی کیسے کر سکتے ہیں؟ لیکن یقین جانیں کہ جناب قاضی صاحب خود نہ صرف یہ کہ غلط فہمی جہل مرکب کا شکار ہیں۔ ہم سماع الموتی کی پوری عبارت بمع اس جملہ کے جو غیر مقصودی ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا تھا عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ عبارت یہ ہے:

اور (مستدرک ج ۱ ص ۳۸۰) کی روایت میں جس کے علیٰ شرط مسلم صحیح ہونے پر امام حاکم رحمہ اللہ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ دونوں متفق ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ''والذی نفسی

بیدہ انہ یسمع خفق نعالھم حین یولّون عنہ'' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ ان کی جوتیوں کی کھنکھناہٹ سنتا ہے جس وقت لوگ اس سے واپس ہوتے ہیں۔

اور یہ روایت (موارد الظمآن ص ۱۹۶) میں بھی ہے اور (شرح السنۃ ج ۵ ص ۴۱۳) میں ''ان المیت یسمع حس لنعال اذا ولّو عنہ الناس مدبرین'' کے الفاظ ہیں۔ (سماع الموتی ص ۱۴۷) ہم نے اختصار کے لئے حین یولّون عنہ کا جملہ جو ظرف ہے ترک کر دیا تھا اور نعالھم کے بعد الحدیث کر دیا تھا۔ اس حدیث میں مقسم علیہ اور جواب قسم انہ یسمع خفق نعالھم کا جملہ ہی ہے اور حین یولّون عنہ ظرف اور وقت مقسم علیہ ہے۔ لیکن جب قاضی صاحب مقسم علیہ اور جواب قسم کو ظرف اور وقت مقسم علیہ قرار دیتے ہیں اور حین یولّون عنہ کے جملہ کو جس میں صراحۃً حین ظرف موجود ہے۔ اسے جواب قسم قرار دیتے ہیں اور پھر آگے حدیث کے کے معنی میں تحریف کا بہتان لگا کر وعظ پر اتر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ دماغ پر سماع موتی کا بھوت سوار ہو گیا ہے کہ حدیث کے معنی میں تحریف پر اتر آئے۔ مرنا نہیں جان نہیں دینی۔

محترم! آپ ہی کے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ادلّہ صحیحہ وقویہ سے ثابت شدہ مسئلہ فی الجملہ سماع موتی کے بلا دلیل انکار کا بھوت آپ پر سوار ہو گیا ہے کہ جواب قسم اور مقسم علیہ اور ظرف اور وقت مقسم علیہ میں کوئی تمیز ہی نہیں رہی اور بدحواسی میں جواب قسم کو ظرف اور وقت مقسم علیہ بنا رہے ہیں اور ظرف اور وقت مقسم علیہ کو جواب قسم بنا رہے ہیں۔ کیا آپ نے مرنا نہیں، جان نہیں دینی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش نہیں ہونا۔ یقین جانیں کہ علم صحیح اور رائے صحیح سے بے بہرہ چند حواریوں کے اکسانے پر سماع الموتی کے رد میں الشہاب الثاقب لکھ مارنے سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں تو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ آخرت کی فکر کیجئے اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔

اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ لفظ حین اور اذا ظروف میں سے ہیں۔ مستدرک کی روایت میں حین کا لفظ ظرف ہے اور شرح السنۃ کی روایت میں اذا ولو اعنہ الناس مدبرین میں اذا کا لفظ ظرف ہے۔ بفضلہ تعالیٰ راقم اثیم کو جواب قسم اور ظرف میں تمیز کرنے کی اہلیت حاصل ہے۔ اگر جناب قاضی صاحب جگہ جگہ بلا وجہ ہمیں خائن اور محرف نہ کہتے اور سماع موتی کے قائلین کی بھی علمی طور پر قدر کرتے اور نیلوی صاحب اور سجاد صاحب اور چتوڑ گڑھی صاحب کو بھی کچھ تنبیہ فرما دیتے جو سماع موتی کے قائلین کو معلون اور ملحد اور مشرک تک کہتے ہیں اور مؤخر الذکر نے تو یہاں تک کہا کہ جو شخص سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر النبی الکریم کا قائل ہے وہ بلاشک قطعی کافر ہے۔ (ملاحظہ ہو دعوت الانصاف ص ۴، اور سماع الموتی ص ۹۱) تو شاید کہ ہم قدرے سخت لہجہ جناب قاضی صاحب کے خلاف ہرگز نہ اختیار کرتے۔ وہ معمر اور بزرگ ہیں لیکن دین سب سے مقدم ہے۔ جناب قاضی صاحب نے غلو کرنے والے کسی صاحب کو کسی کتاب میں کوئی تنبیہ نہیں کی بلکہ ان کی تائید اور تصویب ہی کی ہے اور مفت میں ان کی وکالت کرتے ہیں جب کہ سماع الموتی کی کتاب کی جا بجا شکایت کرتے ہیں اور پھبتی اڑاتے ہیں۔

مسئلہ سماع اور حضرت عزیر علیہ السلام

منکرین سماع موتی حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ سے بھی عدم سماع پر استدلال کرتے ہیں۔ (دیکھئے جواہر القرآن ص ۱۲۷) ہم نے اس کا مفصل جواب (سماع الموتی ص ۳۱۴، ۳۱۵) میں دیا ہے جس میں حضرت شیخ

الہند رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت بھی ہے ''سو برس تک اسی حالت میں رہے اور کسی نے نہ ان کو وہاں آخر دیکھا نہ ان کی خبر ہوئی۔'' (حاشیہ قرآن کریم ص ۵۵) اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حوالہ بھی ہے۔'' رہی یہ بات کہ جب دوسروں نے دیکھا نہیں تو لوگوں کے لئے نمونہ قدرت کس طرح ہوگا۔'' (تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۵) اس مقام پر ان واضح حوالوں کو جناب قاضی صاحب کوکا کولا کی بوتل سمجھ کر پی گئے ہیں اور کسی کا نام تک نہیں لیا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام لئے بغیر یہ تحریر فرما کر ٹرخا گئے ہیں کہ: ''پھر سو سال میں کوئی کوا، کوئی کبوتر، کوئی چڑیا، کوئی جانور وہاں نہیں بولا ہوگا۔ کوئی بادل نہیں گرجا ہوگا۔ الیٰ قولہ'' جو من گھڑت مفروضہ ہے وہ فعلیت محض ہوگئی۔ اس لئے کہ مولانا نے اس مفروضہ کو لے کر جواب دینا ہے۔'' (الشہاب ص ۴۵)

حضرت قاضی صاحب کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کا نام لیتے اور ان کا باقاعدہ حوالہ دیتے اور پھر بن پڑتا تو معقول جواب دیتے لیکن ان کی بات کو من گھڑت مفروضہ تو نہ کہتے۔ مگر ان کو تو تحزب کے تحت نیلوی صاحب اور سجاد صاحب وغیرہ کی تائید کرنا ہے اور بس۔ پھر محترم جناب قاضی صاحب کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کوا، چڑیا، جانور اور بادل کا گرجنا کسی گھڑی کا نام نہیں ہے۔ جن کی آواز سے وقت کی تعیین ہو سکے اور وقت منضبط ہو سکے۔ گھڑی بھی پاس ہو تو بن دیکھے وقت کا پتہ نہیں چلتا اور حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ میں کم لبثت سے وقت کی تعیین کا سوال ہے اور (ص ۶۴) میں جناب قاضی صاحب نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن جواب سے بالکل عاجز رہے ہیں۔ صرف شعر گوئی فرما کر اور یہ لکھ کر کہ کسی کے آنے نہ آنے سلام کلام کرنے کو رہنے دیں، یہ بعد کی چیز ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کم لبثت اور لبثت کا فاعل حضرت عزیر علیہ السلام ہیں اور فعل اپنے فاعل کی صفت ہوگا ہے اور اپنی صفات کا علم حضوری ہوتا ہے جس کو بیوقوف اور بچے بھی جانتے ہیں اور عزیر علیہ السلام کو اپنے رہنے کا علم تو نہیں اور اگر وہاں کوئی بات کرتا تو ضرور سنتے۔ کیونکہ اس طرح کہنے کے سوا کوئی پختہ دیوبندی نہیں بنتا۔ (محصلہ) اور (ص ۶۵، ۶۶) میں اصل نکتہ سے ہٹ کر پانی کی طرح بار بار اسے بلویا ہے۔

الجواب: قارئین کرام ملاحظہ کرلیں کہ جناب قاضی صاحب دوسروں پر پختہ دیوبندی ہونے کا طنز کرتے ہیں اور خود حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی کی معقول بات کو کس طرح ٹال گئے ہیں بلکہ من گھڑت مفروضہ سے تعبیر کر کے جان چھڑا گئے ہیں اور آگے بے سمجھے سوچے نحوی قاعدہ سے دفع الوقتی کرنے لگے ہیں۔ ہم نے (سماع الموتی ص ۳۱۸ تا ۳۲۰) میں اس کا مفصل جواب دیا ہے کہ سوال حرف کم سے وقت کی تعیین کا ہے اور زمانہ اور وقت نہ تو انسان کے ذاتی حالات میں داخل ہے نہ صفات میں بلکہ ظرف ہے اور الگ مقولہ سے ہے۔ اگر وقت و زمانہ انسان کی ذات و صفات میں داخل ہوگا اور زمانہ کا علم حضوری ہوتا تو ہر آدمی کو اپنی تاریخ پیدائش عمر اور زندگی کے دوسرے حالات تاریخ وار معلوم ہوتے۔ حالانکہ بجز ان لوگوں کے جن کے حافظے بڑے قوی ہوتے ہیں یا وہ لوگ جن کے پاس تاریخ ولادت اور زندگی کے اہم واقعات لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور کوئی شخص اپنی زندگی کے واقعات زمانہ اور وقت کی تحدید و تعیین کے ساتھ نہیں بتا سکتا۔ تجربہ شرط ہے۔

بے جا مغز خوری

جناب قاضی صاحب لکھتے ہیں: ''اور (۳۱۸) میں فرماتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کم لبثت ارشاد

فرما کر کہ زمانہ کی توقیت وتعیین دریافت فرمائی اور زمانہ ووقت نہ ان کے ذاتی حالات میں داخل ہے نہ صفات میں بلکہ ظرف ہے اور الگ مقولہ۔'' بے شک جناب اگر آپ لاہور جائیں واپس آئیں، لوگ پوچھیں جناب! آپ لاہور کتنے دن رہے؟ آپ کہیں زمانہ ایک امر منفصل علیحدہ مقولہ ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنا ٹھہرا ہوں۔ جناب آپ جب یہاں رہتے ہیں تو آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ کتنا ٹھہرا ہوں۔ بھائی سر نہ کھاؤ، چپ رہو۔ یہاں زمانہ میرے ساتھ امر متصل رہتا ہے لاہور جا کر امر منفصل اور الگ مقولہ بن جاتا ہے۔ جناب! اس کی کیا وجہ، بھائی سر نہ کھاؤ، یہ جگہ اور، اور وہ جگہ اور۔ جناب! پھر سننے کے لئے بھی یہ جہان اور، وہ جہان اور ہوسکتا ہے۔ یہاں سنے اور وہاں جا کر اس جہاں کی باتیں تو سنیں اور اس جہاں کی نہ سنے۔ بھائی چپ رہو ہم نے یہاں کی بھی سنانی ہے جناب! بات سمجھ نہیں آئی مگر چپ ہی کرتے ہیں۔ بلفظہٖ! (ص ۶۵،۶۶)

اور نیز لکھتے ہیں:'' جناب کیا کریں آپ لاہور جائیں تو یہ جانا آپ کی صفت ہے۔ وہاں ٹھہریں تو یہ ٹھہرنا آپ کی صفت ہے۔ واپس ہوں تو واپس ہونا آپ کی صفت۔ کیا یہ لبثت یہ ٹھہرنا عزیر علیہ السلام کی صفت نہیں؟'' (ص ۶۷)

الجواب: جناب قاضی صاحب نے اس عبارت میں خالص طفل تسلی سے کام لیا ہے اور لوری دے کر سلانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ نہایت ہی ادب سے گزارش ہے کہ محترم جناب قاضی صاحب کو لاہور جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ گوجرانوالہ میں تشریف رکھتے ہوئے ہی بلاحساب اپنی پوری زندگی کے نہیں بلکہ گوجرانوالہ کے قیام ہی کے دن، گھنٹے، منٹ اور سیکنڈ اور جتنے سانس انہوں نے لئے ہیں علم حضوری کے زور سے بتادیں اور جتنی دفعہ وہ اٹھے بیٹھے اور جتنے قدم انہوں نے آتے جاتے اٹھائے ہیں اور جتنے کلمات انہوں نے زبان سے نکالے ہیں بلکہ جتنے دن اور گھنٹے اور منٹ اور سیکنڈ پڑھایا ہے اور چھٹی کی ہے اور اس اثنا میں جتنے سانس انہوں نے لئے ہیں بتادیں۔ کیونکہ یہ تمام ان کی اپنی صفات ہیں۔ لاہور بالکل تشریف نہ لے جائیں یہیں گھر بیٹھے ہی بلاحساب کئے۔ بتائیں ہم مان لیں گے کہ گوجرانوالہ میں زمانہ امر متصل ہوتا ہے۔ کیونکہ بقول جناب قاضی صاحب کے علم حضوری اور بداہت کو تو بلہ اور صبیان بھی جانتے ہیں اور جناب قاضی صاحب تو ماشاء اللہ تعالیٰ جید مدرس ہیں۔ پھر علم حضوری اور بداہت ان کے گھر کی لونڈی کیوں نہ ہوگی؟ الغرض کھانا پینا، سونا جاگنا، وضو اور غسل کرنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، تقریر کرنا، درس دینا وغیرہ وغیرہ بے شمار افعال ہیں جو جناب قاضی صاحب کی صفات ہیں۔ وہ اگر تحدید وقت کے ساتھ یہ بتادیں کہ یہ کام فلاں فلاں جگہ اور اتنے اتنے وقت میں ہوئے تو علم حضوری کا فائدہ بلاتامل حاصل ہوجائے گا ورنہ وقت اور زمانہ گوجرانوالہ میں رہ کر بھی الگ ہی مقولہ رہے گا اور منفصل ہی ہوگا نہ کہ متصل۔ جناب قاضی صاحب کو صفت اور ظرف کے مقولہ کو خلط ملط اور گڈ مڈ نہیں کرنا چاہئے۔ لہٰذا لبثت میں ٹھہرنے کو تو حضرت عزیر علیہ السلام کی صفت سمجھیں اور کم میں وقت اور ظرف کو الگ قرار دیں کیونکہ صفت اُلگ مقولہ سے ہے اور ظرف الگ مقولہ سے ہے۔ ٹھہرنا بندے کی صفت ہے جو اس سے متصل ہے اور ٹھہرنے کا زمانہ ظرف ہے جو بندے سے الگ اور منفصل ہے۔

شرم آتی ہے

جناب قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ: اور (ص ۱۴۹) میں سماع موتی کی ایک دلیل یہ لکھی ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب کا یہ ترجمہ (عنوان) لکھا ہے:''باب المیت یسمع خفق النعال'' (ج ۱ ص ۱۷۸ صحیح

بخاری) حضرت آپ نے یہ ایسی کتاب لکھی ہے (معاف کرنا) کہ ہمیں جواب لکھتے بھی شرم آتی ہے۔ اگر کچھ نہ لکھیں تب کیا کریں اور اگر لکھیں تو دیکھنے والے یہ کہیں گے کہ موصوف اتنے بڑے محدث مدت سے ایک مدرسہ میں شیخ الحدیث صدر مدرس اتنی خبر بھی نہیں کہ محدثین ایک حدیث میں ایک لفظ دیکھ کر ایک عنوان قائم کر دیتے ہیں۔ خواہ ناظرین کو اس سے اتفاق ہو یا نہ ہو۔ کیا امام بخاری رحمہ اللہ باب القرأۃ خلف الامام لکھ دیں تو آپ کو اس سے اتفاق ہوگا۔ باب الجہر بالآمین آپ اس سے اتفاق کریں گے۔ باب رفع الیدین عندالرکوع کیا آپ اس سے اتفاق کریں گے۔ باب الجمعۃ فی القریٰ آپ اس سے اتفاق کریں گے۔ هلمّ جرّاً الجیث لاتعدّو لاتحصیٰ! (ص ۸۳و۹۳)

الجواب: جناب قاضی صاحب کے بعض علمی چٹکلے تو تیر بہدف ہوتے ہیں لیکن ان پر تعلّی کا جن اور تکبر کا بھوت بری طرح سوار ہے کہ ان کے بغیر کوئی اور تدریس کے لائق ہی نہیں ہے۔ یہ بات ان کی گفتگو اور ان کی تحریرات سے بالکل واضح ہے۔ مشہور ہے میاں راچہ بیان۔ اس عبارت میں بھی جناب قاضی صاحب نے علمی ٹھوکریں کھائی ہیں اور یہ لکھنے میں حق بجانب ہیں کہ سماع الموتی کا جواب لکھنے میں شرم آتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس ٹھوس اور محقق کتاب کے بے شمار اور جاندار حوالوں سے نظر بچا کر صرف چند باتوں کا انتخاب فرمایا ہے اور ان کا حشر بھی قارئین کرام بخوبی ملاحظہ کر چکے ہیں اور جہل مرکب کے پلندے کا جب پوسٹ مارٹم ہو تو ضرور شرم آنی چاہئے۔ یہاں انہوں نے جو علمی ٹھوکریں کھائی ہیں وہ یہ ہیں:

اوّل: یہ کہ وہ لکھتے ہیں: ''محدثین ایک حدیث میں ایک لفظ دیکھ کر ایک عنوان قائم کر دیتے ہیں خواہ ناظرین کو اس سے اتفاق ہو یا نہ ہو۔'' بے شک حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ بشمولیت حضرت امام بخاری رحمہ اللہ بعض مقامات میں ترجمۃ الباب اور عنوان قائم کرتے ہیں اور جو حدیث اس باب میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں وہ بظاہر دلالت مطابقی اور تضمنی والتزامی وغیرہ سے باب کے مطابق نہیں ہوتی۔ وہاں تو ناظرین کو اختلاف کا حق ہوتا ہے کہ مانیں یا نہ مانیں۔ لیکن جہاں ترجمۃ الباب کے عین مطابق الفاظ حدیث سے ثابت ہو جائیں تو وہاں ناظرین کے نہ ماننے کا بہانہ بالکل بے سود اور بے کار ہے جیسا کہ یہاں جناب قاضی صاحب کا بہانہ بے کار ہے۔ کیونکہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان یہ قائم کیا۔ باب المیت یسمع خفق النعال اور آگے حدیث وہ پیش کرتے ہیں جس میں یہ الفاظ ہیں: ''حتی انہ یسمع قرع نعالھم'' الحدیث اور علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے ترجمۃ الباب کی مطابقت ہے۔ کیونکہ خفق اور قرع دونوں کا ایک معنی ہے۔ (ہامش بخاری ص ۱۷۸) تو اس باب میں جتنے الفاظ عنوان میں ہیں اتنے ہی حدیث میں ہیں۔ لہٰذا علمی طور پر ناظرین کا اس سے اتفاق نہ کرنا واضح طور پر علمی غلطی ہے اور یا پھر نرا تعصب ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین!

دوم: ہم نے کتاب سماع الموتی میں یہ باب اس لئے نہیں پیش کیا کہ آگے حدیث اس کے مطابق ہے۔ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے۔ ہم نے امام بخاری رحمہ اللہ کی تبویب کا حوالہ دے کر آگے علامہ عینی رحمہ اللہ سے اس عنوان کی تشریح نقل کی ہے۔ یعنی یہ باب ہے جس میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ مردہ زندوں کی جوتیوں کی کھنکھناہٹ سنتا ہے اور خفق النعال کا معنی جوتیوں کی آواز اور ان سے زمین کو روندنا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۵۷)

اس کے بعد ہم نے لکھا ہے: ''یہ عبارت بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مردہ زندوں کی جوتیوں کی کھنکھناہٹ سنتا ہے اور حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔'' (ص ۱۴۹)

اب قارئین کرام ہی فرمائیں کہ جتنی بات ہم نے تحریر کی ہے اس میں علمی طور پر کیا کلام ہے؟ اور کیا اشکال ہے؟ ہم نے عنوان اور حدیث کی مطابق اور عدم مطابقت کا تو ذکر ہی نہیں چھیڑا اور نہ ہم نے ترجمۃ الباب کے اثبات اور مطابقت کے لئے آگے مذکور حدیث کا حوالہ دیا ہے۔ کیونکہ ایک واضح چیز کے اثبات کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور جناب قاضی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ:''محدثین ایک حدیث میں ایک لفظ دے کر ایک عنوان قائم کر دیتے ہیں۔'' یعنی بالکل ایک غیر متعلق بات لکھ کر عوام کو مغالطہ دیتے ہیں۔ معاف رکھنا ایسا طریق اختیار کرنے سے اور ایسی غیر متعلق باتیں لکھنے سے شرم کیوں نہ آئے؟ ضرور آنی چاہئے۔ شرم آنا بھی ایک اچھی علامت ہے۔ جناب قاضی صاحب کا یہ فریضہ تھا کہ سماع الموتی میں درج شدہ اس دعویٰ کی کہ امام بخاری رحمہ اللہ خفق النعال کے سماع کے قائل ہیں۔ اگر بن پڑتا تو باحوالہ امام بخاری رحمہ اللہ کے الفاظ میں یوں تردید کرتے کہ سماع خفق النعال ثابت نہیں اور ناظرین کا غیر متعلق ذکر نہ کرتے۔

سوم: جناب قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں:''کیا امام بخاری رحمہ اللہ باب القرأۃ خلف الامام لکھ دیں تو آپ کو اس سے اتفاق ہوگا۔ باب الجہر بالآمین آپ اس سے اتفاق کریں گے۔ باب رفع الیدین عند الرکوع، کیا آپ اس سے اتفاق کریں گے۔ باب الجمعۃ فی القریٰ، آپ اس سے اتفاق کریں گے۔''

الجواب: جناب قاضی صاحب نے یہ باتیں بھی اپنے حواریوں کو مطمئن کرنے کے لئے تحریر فرمائی ہیں۔ غور وفکر سے قطعاً کام نہیں لیا۔ اس لئے کہ اوّلاً تو امام بخاری رحمہ اللہ نے باب القرأۃ خلف الامام قائم ہی نہیں کیا۔ انہوں نے جو باب قائم کیا ہے وہ یہ ہے:''باب وجوب القرأۃ للامام والمأموم فی الصلوٰت کلہا فی الحضر والسفر ومایجہر فیہا ومایخافت'' (ج۱ ص۱۰۴) امام بخاری رحمہ اللہ کی عبارت میں خلف الامام کا لفظ ہی نہیں ہے۔

وثانیاً: اس دعویٰ کے اثبات کے لئے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے جو حدیثیں پیش کی ہیں ان میں کسی ایک کے اندر بھی خلف الامام اور ماموم کا لفظ مذکور نہیں ہے۔ یہاں ہم اس لئے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ سے اتفاق نہیں کرتے کہ باب اور پیش کردہ احادیث میں قطعاً مطابقت نہیں ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ قرأۃ خلف الامام کے قائل نہیں ہیں۔ اس کی مفصل اور سیر حاصل بحث ہم نے احسن الکلام میں کر دی ہے جس پر جناب قاضی صاحب کی تصدیق بھی موجود ہے۔ اسی طرح حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے باب الجہر بالآمین کا کوئی باب نہیں قائم کیا۔ (آمین پر الف لام لانے کا مسئلہ تو جناب قاضی صاحب ہی بہتر جانتے ہوں گے اور شاید یہاں ان کے نزدیک یہ مستحسن امر ہو) امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب یہ قائم کیا ہے:''باب جہر الامام بالتامین'' (ج۱ ص۱۰۷)

اور دوسرا باب یہ قائم کیا ہے:''باب جہر المأموم بالتامین'' (ج۱ ص۱۰۸) اور آگے جو مرفوع حدیثیں دلیل کے طور پر پیش کی ہیں ان میں جہر کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں احادیث مرفوعہ کے باب سے مطابق نہ ہونے میں ناظرین کو اختلاف کی گنجائش ہے۔ کیونکہ دعویٰ اور دلیل (یعنی ترجمۃ الباب اور احادیث) میں مطابقت نہیں ہے۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے باب رفع الیدین عند الرکوع کا کوئی باب قائم نہیں کیا۔ انہوں نے جو باب قائم کیا ہے وہ یہ ہے:''باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع'' (ج۱ ص۱۰۲)

اور پھر آگے انہوں نے اپنے اس دعویٰ کے اثبات پر مرفوع حدیث پیش کی ہے اور حضرت امام بخاری رحمہ اللہ سے اس لئے اختلاف کرتے ہیں کہ صحیح ابوعوانہ اور مسند حمیدی میں صحیح سند کے ساتھ یہ حدیث موجود ہے

کہ آنحضرت ﷺ رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے۔ نور الصباح وغیرہ میں اس کی مفصل بحث موجود ہے جو فاضل نصرۃ العلوم حضرت مولانا حافظ محمد حبیب اللہ صاحب نے تالیف کی ہے۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن تو قائم کیا ہے۔ (ج ۱ ص ۱۲۲) لیکن اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ قریہ سے کیا مراد ہے۔ اگر مکہ مکرمہ، مصر، جواثی اور طائف وغیرہ کی طرح آبادی مراد ہے جن پر قرآن کریم اور حدیث میں لفظ قریۃ کا اطلاق کیا گیا ہے تو علی الرأس والعین ایسی آبادی میں جمعہ جائز ہے اور اگر بالکل معمولی آبادی مراد ہو جو چند گھروں پر مشتمل ہو تو امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ ناظرین کو اس لئے اختلاف کی گنجائش ہے کہ آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ اس کی تائید نہیں کرتے تو ایسے مقامات پر اتفاق نہ کرنے سے پھر یہ کیسے اور کیونکر ثابت ہوگا کہ ہر ہر باب میں امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ اختلاف کے لئے کمر باندھ لی جائے۔ جیسا کہ جناب قاضی صاحب کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔

اہل قبور کو سلام کہنے کا جواب

جناب قاضی صاحب لکھتے ہیں اور (ص ۱۵۲) میں دلیل پیش کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ ''اتی المقبرۃ فقال السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون'' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مردے سنتے ہیں۔ اس لئے کہ خطاب اس کو کیا جاتا ہے جو سنے۔ سبحان اللہ! ایک پورا باب ہی حذف کر گئے۔ جناب ایک باب ہے نصب العین کا۔ وہ یہ کہ نہ مخاطب سنتا ہے اور نہ متکلم کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ مخاطب سن رہا ہے بلکہ کمال محبت اور پیار یا درد و فراق اور جدائی سے متکلم اس مخاطب کو یوں تصور اور خیال کر لیتا ہے کہ وہ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ ایک ماں کا بچہ مر جاتا ہے اس کو دفن کر آتے ہیں۔ واپس گھر آتے ہیں تو اس کی ماں کہہ رہی ہے اے میرے غمگسار بچے! اے میرے دکھ درد کے یار بچے! اے میری تکالیف میں میرا ساتھ دینے والے بچے! اگر نبی ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہے: ''یا ابتاہ اجاب ربأ دعاہ یا ابتاہ من جنۃ الفردوس مأواہ یا ابتاہ الی جبرائیل ننعاہ'' موصوف یہاں بھی فرمائیں گے سنا سنا کر کہہ رہی ہیں۔

پھر آگے ایک صحابی کا قول: ''الا یا رسول اللہ کنت رجاءنا'' نقل کیا اور پھر آگے ''السلام علیک ایھا النبی'' کا تذکرہ کیا ہے اور لکھتے ہیں۔ اگر وظیفہ تعبدی بنائیں تو مقصد نہیں پورا ہوتا۔ انشاء الصلوٰۃ اگر یہاں سے کہیں کہ آپ سن رہے ہیں تو شرک بنتا ہے۔ موصوف فرمائیں گے فرشتے پہنچا دیتے ہیں۔ (ص ۴۰، ۴۱)

الجواب: محترم جناب قاضی صاحب نے یہ جتنی کاوش کی ہے بالکل بے سود ہے۔ اولاً اس لئے کہ کسی فن میں نصب العین کا مستقل باب تو ہے نہیں اور جو مسائل اس سلسلہ میں موجود ہیں جن میں غائبانہ خطاب ہوتا ہے اور تصور کے طور پر دل میں مخاطب کو حاضر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ہم ہرگز منکر نہیں ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ ہم نے اپنی کتاب تبرید النواظر اور تفریح الخواطر میں السلام علیک ایھا النبی اور ایسے ہی غائبانہ تخاطب کے سلسلہ میں باحوالہ سیر حاصل بحث اس پر کی ہے۔ لہٰذا ہماری واضح تصریحات کی موجودگی میں ہمیں نصب العین کے باب کا منکر قرار دینا خالص تعبدی اور نری زیادتی ہے۔

ثانیاً: جناب قاضی صاحب نے نصب العین کے سمجھانے میں جتنی مثالیں بیان کی ہیں، یہ سب غائبانہ طور پر

ہیں جو نصب العین کا مصداق ہیں۔ ان غیر متعلق مثالوں سے سلام اہل قبور کا جواب کیسے بنا جس میں زائر قبر پر حاضر ہو کر سنت کے مطابق سلام کہتا ہے۔

ثالثاً: اس حدیث سے سماع الموتی پر استدلال ہم نے نہیں کیا بلکہ اکابر نے کیا ہے۔ جن کی صریح عبارات سماع الموتی میں جا بجا موجود ہیں جن کو قاضی صاحب سیون اپ کی بوتل سمجھ کر پی گئے ہیں۔ چند حوالوں کی طرف ہم یہاں صرف اشارہ ہی کرتے ہیں اور باقی حوالے اسی کتاب میں ملاحظہ کر لیں۔

۱...... حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''قوله السلام عليكم الخ ظاهر حديث الباب وغيره كثير من الاحاديث يدل على سماع الموتى'' (العرف الشذی ص ۳۵۳، سماع الموتی ص ۱۸۲)

آنحضرت ﷺ کا السلام علیکم کہنا اس باب کی یہ حدیث اور اس کے علاوہ بہت سی حدیثوں کا ظاہر اسی کو چاہتا ہے کہ مردے سنتے ہیں۔

۲...... حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''اور رسول اللہ ﷺ نے باوجود اس کے سلام اہل قبور مسنون کر دیا۔ اگر استماع ممکن نہیں تو پھر یہ بیہودہ حرکت یعنی سلام اہل قبور ملحدوں کی زبان درازی کے لئے کافی ہے۔''

(جمال قاسمی ص ۸، سماع الموتی ص ۱۶۲)

۳...... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور حافظ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''فيقول السلام عليكم دار قوم مؤمنين وهذا خطاب لمن يسمع ويعقل'' (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸ و کتاب الروح ص ۴، سماع الموتی ص ۱۵۴ و ۱۵۹)

زیارت کنندہ کہے سلام ہو تم پر اے مومنوں کی بستی میں رہنے والو اور یہ ان کو خطاب ہے جو سنتے اور جانتے ہیں۔

یہ اور اس قسم کی دیگر متعدد صریح عبارتیں جناب قاضی صاحب ہضم کر گئے ہیں اور جو بزرگ اس بڑھاتے میں ایک چھٹانک خالص گھی ہضم کر لے ان کے لئے یہ خشک حوالے ہضم کرنے میں کیا دیر لگتی ہے۔

الفقہ الاکبر کی عبارت کا جواب

جناب قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''اور اسی صفحہ میں فقہ اکبر کی عبارت نقل کرتے ہیں: ''واعادة الروح الى العبد فی قبره حق'' موصوف نے یہ نہیں بتایا کہ اس قبر سے مراد یہ گڑھا ہرگز نہیں بلکہ عالم برزخ ہے خلط ملط نہ کریں۔'' (ص ۴۶ و ۴۷)

اور (ص ۴۷ و ۴۸) میں لکھتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ کے بندے کچھ تو انصاف کر یہ عذاب قبر کا مسئلہ ہے جس کی بحث علم کلام (علم عقائد) میں ہوتی ہے اور آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ علم فقہ (کتب فقہ) کے باب الجنائز میں قبر سے مراد یہ گڑھا جو کھودا جاتا ہے۔ پھر دفن کر کے اوپر مٹی ڈالی جاتی ہے اور علم کلام میں قبر سے یہ گڑھا نہیں ہوتا جس کو دریا برد کیا جاتا ہے، مچھلیاں کھا جاتی ہیں، جن کی لاشیں جلا دی جاتی ہیں۔ ان کو بھی عذاب قبر ہوتا ہے، پسلیاں آر پار ہوتی ہیں، ہتھوڑوں سے مارا جاتا ہے۔ وغیرہ! وہاں اس گڑھے کا نشان بھی نہیں۔ بے شک اس گڑھے سے بھی گاہ بگاہ خرق عادت کے طور پر آواز آ جاتی ہے جیسے نبی ﷺ کی خچر نے سنی تو کودی۔ لیکن علم کلام میں جہاں عذاب قبر کی بحث ہوتی ہے اور جس علم کا یہ مسئلہ ہے، وہاں قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں لیتے۔ بلکہ عالم برزخ مراد لیتے ہیں۔ وہاں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ کیا آپ نے شرح عقائد خیالی حاشیہ شرح عقائد نہیں پڑھے، نہیں دیکھے۔ آج تک ان کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ وہاں کیا لکھا

ہے؟ اور اگر پڑھے، دیکھے اور سمجھے ہیں تو آپ کی دیانت یہ اجازت دیتی ہے کہ معاملے کو ایسا خلط ملط اور گڈ مڈ کر کے پیش کریں کہ ناظرین کتاب یہ سمجھیں کہ یہ سب کچھ اسی گڑھے میں ہو رہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!''

الجواب: جناب قاضی صاحب نے اس مضمون میں ایسی نکمی اور کمزور باتیں تحریر کی ہیں جن پر تعجب ہوتا ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ یہ تفریق کہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کے نزدیک قبر اس گڑھے کا نام ہے جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے اور حضرات متکلمین رحمہم اللہ کے نزدیک قبر اس گڑھے کا نام ہی نہیں بلکہ صرف برزخ کا نام ہے۔ خالص اختراعی تفریق ہے جو شیخ چلی کی کہانی سے بڑھ کر نہیں۔

ثانیاً: جناب قاضی صاحب کی عبارت کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کے نزدیک مردے تو دفن کے بعد گڑھے میں کچھ عرصہ رہتے ہیں، لیکن حضرات متکلمین رحمہم اللہ کے نزدیک دفن کے فوراً بعد ان کو جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے یا ان کو سمندر یا کوئی اور دریا بہا کر لے جاتا ہے یا مچھلیاں فوراً ہڑپ کر جاتی ہیں اور اس گڑھے میں اس کا نام ونشان تک نہیں رہتا۔

ثالثاً: حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ اگر فتح القدیر میں جو فقہ کی کتاب ہے لفظ قبر بولیں تو اس سے مراد وہ گڑھا ہوگا جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے اور کچھ عرصہ وہ رہتا ہے اور وہی جب المسایرہ میں جو علم کلام کی کتاب ہے یہ لفظ بولیں تو وہ گڑھا فوراً برزخ بن جائے گا اور مردہ سوختہ اور دریا برد ہو جائے گا یا اس کو مچھلیاں نگل جائیں گی۔ تعجب ہے کہ جناب قاضی صاحب کیا فرما رہے ہیں۔

رابعاً: بفضلہ تعالیٰ ہم نے (تسکین الصدور ص ۸۱ تا ۸۳) میں قرآن کریم اور صحیح احادیث سے قبر کا حقیقی معنی عرض کر دیا ہے کہ یہی گڑھا ہے اور پھر (ص ۸۴ تا ۸۵) میں قبر کا مجازی معنی برزخ باحوالہ بیان کیا ہے جس میں ہم علامہ قرطبی، حافظ ابن القیم اور امام سیوطی (رحمہم اللہ) کے حوالوں سے ان مردوں کے بارے جن کا جانور اور مچھلیاں کھا جائیں یا سوختہ یا دریا برد ہو جائیں یا مصلوب وغیرہ ہوں یا راحت قبر کا مطلب عرض کر دیا ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیا جائے۔

وخامساً: ہم نے (تسکین الصدور میں ص ۱۷۰ تا ۱۸۱) المسامرہ، المسایرہ، اصول الدین، التمہید، الاقتصاد فی الاعتقاد، شرح عقائد، نبراس، الخیالی علامہ ایوبی رحمہ اللہ، علی الخیالی رحمہ اللہ، تمہید، الدوانی علی العقائد العضدیۃ وغیرہ علم کلام کی مشہور اور مستند کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ جن سے راحت اور عذاب قبر کا ثبوت روح اور جسد عنصری دونوں کے لئے ثابت کیا گیا ہے اور یہ تمام حضرات بدن مادی اور عنصری کو ملحوظ رکھ کر باطل فرقوں کو جواب دیتے ہیں۔ جب بدن سے بدن مادی اور عنصری مراد ہو تو قبر سے یہی گڑھا مراد ہے جیسا کہ کسی بھی اہل علم پر یہ مخفی نہیں۔

راقم اثیم بفضلہ شرح عقائد مسامرہ اور خیالی وغیرہ پڑھا پڑھا کر بوڑھا ہو گیا ہے اور تسکین الصدور میں حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کی عبارات کے پہلو بہ پہلو حضرات متکلمین رحمہم اللہ کی ان ٹھوس اور صریح عبارتوں کے پیش نظر ہی محترم قاضی صاحب نے اپنا سابق نظریہ کہ تعلق روح بالجسم العنصری کا نام تک نہیں ملتا۔ بلکہ روایات میں صراحۃً اس تعلق کی نفی ملتی ہے۔ (مسالک العلماء ص ۲۷) اور (۳۰) میں لکھا کہ: ''تعلق روح بالجسد العنصری کا اشارہ تک بھی نہیں ملتا۔'' ترک کر کے یہ اقرار کیا کہ اور فقہاء کرام رحمہم اللہ اور متکلمین کے نزدیک یہ جسم خواہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو پھر بھی قبر کے عذاب وثواب اور تألم وتلذذ میں وہ روح کا شریک ہے اور فتویٰ بھی فقہاء کرام رحمہم اللہ کے قول پر دینا چاہئے۔

(تسکین القلوب ص ۴۷، ونحوہ، التعلیق الفصیح علی المشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۹)

اور یہ تسکین الصدور میں حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ اور حضرات متکلمین رحمہم اللہ کی واضح اور ٹھوس عبارات کا نتیجہ تھا کہ جناب قاضی صاحب نے اپنے سابق غلط نظریہ سے رجوع کرلیا جو علمی طور پر قابل قدر بات ہے۔ اگر ہم نے شرح عقائد اور خیالی وغیرہ نہ پڑھی نہ سمجھی اور نہ پڑھائی ہوتیں تو ان کی پیش کردہ صریح عبارات سے جناب قاضی صاحب کیونکر متاثر ہوتے اور اپنا باطل نظریہ کیوں چھوڑتے؟ اندریں حالات ان کا یہ طعنہ کہ یہ کتابیں ہم نے نہیں دیکھیں یا نہیں سمجھیں نرے جذبات کا بخار ہے اور بس۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ کے حوالہ کا جواب

جناب قاضی صاحب لکھتے ہیں: "اور (۱۹۳) پر حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ کا حوالہ دیا کہ وہ یہ کہ اکثر کا یہی نظریہ ہے کہ مردے سنتے ہیں۔ جناب کیوں نہ ہو جب کہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کا یہ نظریہ ہے کہ روح قبر کے پاس رہتی ہے۔ اب یہ آپ فیصلہ کریں کہ قبر کے پاس کہنا بہتر ہے یا علیین، سجین میں کلاان کتاب الابرار لفی علیین" (ص ۴۹)

الجواب: ہم نے سماع الموتی (ص ۱۹۲ تا ۱۹۵) میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی کتاب احکام القرآن حزب خامس (۱۰۴ تا ۱۰۶) کے حوالہ سے مفصل عبارات نقل کی ہیں جن میں یہ بات بھی تھی کہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر حضرات فی الجملہ سماع موتی کے قائل ہیں اور نیز لکھتے ہیں کہ اور اسی سے ان روایات میں جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں توافق پیدا ہو جاتا ہے اور ہمارے مشائخ (علماء دیوبند دامت برکاتہم) کا بھی یہی مختار ہے (وھو مختار مشائخنا) مگر ان تمام صریح اور واضح عبارات اور حوالوں کو جناب قاضی صاحب پی گئے ہیں اور صرف امام ابن عبد البر رحمہ اللہ کا نام لے کر ہی بات کو ٹرخا گئے ہیں۔ عند القبور سماع موتی کے صرف امام ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ ہی قائل نہیں کہ اتنی بات کہہ کر پیچھا چھڑا لیا جائے کہ چونکہ وہ روح کو قبر کے پاس مانتے ہیں، اس لئے وہ سماع موتی کے قائل ہیں۔ کیونکہ متعدد مرفوع احادیث سے سماع عند القبور ثابت ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع، مردوں کو السلام علیکم کہنا جو ظاہراً ان کے سماع پر دال ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحیح مرفوع حدیث کہ جب بھی کوئی شخص کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے اور وہ اسے سلام کہتا ہے تو وہ سلام سنتا اور جواب دیتا ہے۔ یہ تمام احادیث صراحۃً سماع موتی پر دال ہیں۔

ان تمام احادیث کی صحت پر سیر حاصل بحث سماع الموتی اور تسکین الصدور میں مذکور ہے جن کا بجز السلام علیکم کی حدیث کے جناب قاضی صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس جواب کا حال بھی آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماع موتی کا انکار کرتی تھیں۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "وقد خالفها الجمهور فی ذالک وقبلوا احدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ لموافقته من رواه غیره علیه"

(فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۷، سماع الموتی ص ۲۸۳)

جمہور نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو (جو دال علی السماع ہے) لیا ہے۔ کیونکہ دوسرے حضرات کی روایتیں ان کے موافق ہیں۔

الحاصل امام ابن عبد البر رحمہ اللہ سماع کے مسئلہ میں متفرد نہیں ہیں۔ جمہور اہل اسلام ان کے موافق ہیں اور

بڑی تفصیل کے ساتھ ہم نے ان کے حوالے کتاب سماع الموتی میں عرض کر دیئے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ کیا امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ ارواح کو قبور ہی کے پاس مانتے ہیں اور ان کا تعلق جنت علیین اور ملاء اعلیٰ سے نہیں تسلیم کرتے۔ صحیح بات یہ ہے کہ جیسا کہ دیگر جمہور اہل اسلام ارواح کا مستقر جنت علیین اور ملاء اعلیٰ یا سجین تسلیم کرتے ہیں اور قبر کے ساتھ بھی ان کا تعلق مانتے ہیں۔ یہ نہیں کہ قبر کے پاس ہی ارواح کا مسکن اور گھر مانتے ہیں۔ اسی طرح امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ بھی مانتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''وقد وافق ابو عمر علی ان ارواح الشهداء فی الجنة ویسلَّم علیهم عند قبورهم کما یسلَّم علی غیرهم کما علَّمنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نسلم علیهم وکما کانت الصحابة یسلِّمون علی شهداء احد وقد ثبت ان ارواحهم فی الجنة تسوح حیث شاءت کما تقدم ولا یضیق عطنک عن کون الروح فی الملاء الاعلی تسوح فی الجنة حیث شاءت وتسمع سلام المسلِّم علیها عنه قبرها وتدنو حتی ترد علیه السلام وللروح شان آخر غیر شان البدن''

امام ابوعمر بن عبدالبر رحمہ اللہ اس بات میں (جمہور سے) موافقت کرتے ہیں کہ شہداء کی ارواح جنت میں ہیں اور باوجود اس کے وہ فرماتے ہیں کہ شہداء کی قبور کے پاس انہیں سلام کہنا چاہئے جیسا کہ دوسرے لوگوں کو سلام کیا جاتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم اہل قبور کو سلام کہیں اور جیسا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہدائے احد کو سلام کہتے تھے۔ حالانکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ان کی ارواح جنت میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور تیرا باڑہ (جس میں اونٹ یا بھیڑ بکریاں باندھی جاتی ہیں۔ مراد یہاں دل ہے جس میں طرح طرح کے خیالات اور علوم جمع رہتے ہیں) اس سے تنگ نہ ہو کہ روح ملاء اعلیٰ میں ہوتے ہوئے بھی جنت میں جہاں چاہے سیر کر سکے۔ ومع ہذا! قبر کے پاس سلام کہنے والے کے سلام کو سنے اور قریب ہو اور سلام کا جواب لوٹائے۔ کیونکہ روح کا معاملہ بدن کے معاملہ سے الگ اور جدا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابوعمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ ارواح کا جنت، ملاء اعلیٰ اور قبور سب سے باقاعدہ تعلق تسلیم کرتے ہیں اور عندالقبور سلام کے سماع اور رد جواب کے قائل ہیں نہ جیسا کہ جناب قاضی صاحب سمجھے ہیں کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ اس لئے سماع موتی کے قائل ہیں کہ وہ ارواح کو صرف قبور کے پاس ہی مانتے ہیں اور دونوں باتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے جو جناب قاضی صاحب کو نظر نہیں آ رہا۔

قتلی بدر اور سماع موتی

ہم نے کتاب (سماع الموتی ص ۲۱۱ تا ۲۲۴) میں مقتولین بدر کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ''ما انتم باسمع لما اقول منهم'' الحدیث کا کتب حدیث سے حوالہ دے کر آگے حضرت قتادہ رحمہ اللہ کے قول کا باحوالہ رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ سماع مقتولین بدر سے خاص تھا۔ پھر آگے ہم نے علامہ طیبی، ملا علی القاری، امام نووی، حافظ ابن تیمیہ امام علی بن عبدالکافی السبکی، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب، امام قرطبی، علامہ عبدالعلی بحر العلوم، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، علامہ آلوسی اور علامہ دوؤد بن سلیمان البغدادی (رحمہم اللہ) وغیرہ کے صریح حوالوں سے عبارات نقل کی ہیں کہ یہ سماع مقتولین بدر سے خاص نہ تھا بلکہ تمام موتی سے متعلق ہے لیکن جناب

قاضی صاحب نے نہ توان میں سے کسی ایک عبارت کا حوالہ دیا ہے اور نہ ان واضح تر عبارات اور حوالوں میں سے کسی ایک کا جواب دیا ہے۔ اس تمام مدلل اور باحوالہ بحث کو ہڑپ کر گئے ہیں اور صرف اپنی رام کہانی سنانے پر اکتفاء فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''اور (۲۱۱) میں قتلیٰ بدر کے متعلق جو حدیث ہے جن کو قلیب بدر میں ڈالا گیا تھا ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ما انتم باسمع لما اقول منھم'' نہیں تم بہتر سننے والے اس بات کو جو میں ان سے کہہ رہا ہوں یعنی یہ تم سے بھی زیادہ سن رہے ہیں۔ مولانا! دیانت سے کام لیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔ کیا ''انک لا تسمع الموتیٰ'' اور ''ما انت بمسمع من فی القبور'' اس سے پہلے اتر نہیں چکی تھیں۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا کیا معنیٰ سمجھا ہوا تھا؟ کیا ذہن نشین کیا ہوا تھا۔ یہی جو آپ کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اگر یہی سمجھا ہوا تھا جو آپ محققانہ رنگ میں پیش کرتے ہیں تو صحابہ کا وہ ذہن وہ نظریہ کہاں سے بنا تھا جس کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ حضرت آپ ان مردہ لاشوں کو کیا سناتے ہیں؟ پھر دوسرے بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پاس کھڑے ہیں کسی ایک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہ ٹوکا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ سب کا نظریہ یہی تھا۔ سب اس سے متفق تھے کہ مردے نہیں سنتے۔ پھر آپ دیانت سے جواب دیں کہ نبی ﷺ نے اپنے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ کلیہ کو توڑا کہ مردے نہیں سنتے اور اس کی جگہ یہ کلیہ بیان کیا کہ مردے سنتے ہیں یا صرف قلیب بدر والوں کے متعلق فرمایا کہ: ''ما انتم باسمع منھم'' قانون کو نہیں توڑا۔ قانون بحال رکھا کہ مردے نہیں سنتے۔ صرف قلیب بدر والوں کے متعلق فرمایا کہ: ''ما انتم باسمع منھم'' اور صرف ان کو مستثنیٰ کیا۔ پھر جب کہ نبی ﷺ نے قانون اور کلیہ کو نہیں توڑا تو آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ جس کلیہ اور قانون کو نبی ﷺ نے نہیں توڑا اور بحال رکھا اس کو آپ توڑیں اور اس کی جگہ خود ساختہ من گھڑت کلیہ رکھیں کہ سب مردے سنتے ہیں۔ یہ حق آپ کو حاصل نہیں۔'' (ص ۴۹، ۵۰)

الجواب: محترم قاضی صاحب نے یہاں جس دفع الوقتی سے کام لیا ہے وہ ایک نرالا عجوبہ ہے اور ان کو کسی طرح سودمند نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ واقعی ''انک لا تسمع الموتیٰ وغیرھا'' اس مضمون کی آیات پہلے نازل ہو چکی تھیں لیکن ان میں نہ تو عدم سماع موتیٰ کا کوئی کلیہ بیان ہوا ہے اور نہ قانون۔ ان آیات کو عدم سماع موتیٰ کے لئے کلیہ اور قانون بنانا جناب قاضی صاحب کی نری اختراع ہے۔ قانون اور کلیہ اہل لسان کے لئے بڑی واضح چیز ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جمہور ائمہ اس قانون اور کلیہ کی کبھی مخالفت نہ کرتے اور سماع موتیٰ کے کبھی قائل نہ ہوتے۔

ثانیاً: اگرچہ منکرین سماع موتیٰ نے ''انک لا تسمع الموتیٰ'' وغیرہا آیات سے بزعم خویش عدم سماع موتیٰ پر استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال قطعی نہیں ورنہ قائلین سماع موتیٰ قطعی الدلالۃ معنیٰ سے ہرگز ہرگز انکار نہ کرتے ورنہ کافر ہو جاتے اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے بلکہ مولانا حقانی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ان آیات میں تو عدم سماع کا اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ (تفسیر حقانی ج ۶ ص ۱۴۱) اور بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں کسی میں یہ نہیں فرمایا کہ مردے نہیں سن سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ (معارف القرآن ج ۶ ص ۵۹۰) بڑی عجیب بات ہے کہ ان حضرات کے نزدیک تو ان آیات میں عدم سماع کا اشارہ تک بھی نہیں۔ لیکن محترم جناب قاضی صاحب عدم سماع کو قانون اور کلیہ قرار دیتے ہیں۔

ثالثاً: اگر عدم سماع موتی کا کوئی قانون اور کلیہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اور خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ہوتا تو اس موقع پر ضرور وہ اس کا حوالہ دیتے کہ حضرت! قانون اور کلیہ تو عدم سماع ہے آپ اس کے خلاف کیوں کرتے ہیں؟ اور دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو بدری تھے اس موقع پر اس قانون اور کلیہ سے کبھی چپ نہ سادھ لیتے۔ اس سے یقیناً ثابت ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اذہان میں عدم سماع کا کوئی قانون اور کلیہ نہ تھا اور اس کو قانون اور کلیہ کہنا من گھڑت اور ایجاد بندہ ہے۔

رابعاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے اس غلط فہمی میں مبتلاء تھے کہ چونکہ یہ بے جان جسم ہیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کیسے خطاب کرتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غلطی نکالی اور فرمایا کہ بخدا تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ یعنی یہ تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ جناب قاضی صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غلطی کو تو قانون اور کلیہ کا درجہ دیتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلفیہ اور صریح ارشاد کو جو قولی شکل میں اس کو قانون اور کلیہ بنانے پر آمادہ نہیں۔ حالانکہ اصول حدیث کی رو سے آپ کا قول امت کے لئے قانون کا درجہ رکھتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ حضرت آپ مجھے اپنے نفس کے علاوہ باقی سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخدا جب تک کہ تو مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ سمجھے بات نہیں بنتی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بخدا آپ مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''الآن یا عمر'' (بخاری ج ۲ ص ۹۸۱) یعنی عمر رضی اللہ عنہ اب بات بنی۔

جیسے اس مقام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غلط رائے کی اصلاح ہوئی یہاں بھی ہوئی۔ حیرت ہے کہ جناب قاضی صاحب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن اور سابق غلط نظریہ کو کہتے ہیں کہ کیا بنا ہوا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نظریہ اور ذہن اور صریح ارشاد کو ملحوظ نہیں رکھتے کہ کیا تھا؟

الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور باقی بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ ذہن اور نظریہ بن گیا کہ مردے سنتے ہیں اور اسی کو جمہور امت نے لیا ہے اور حدیث: ''ما انتم باسمع لما اقول منھم'' سے باقاعدہ استدلال کیا ہے۔

مسئلۂ توسل واستشفاع عند القبر

ہم نے (سماع الموتی ص ۱۱۶ تا ۱۲۰) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلب شفاعت اور توسل کا ٹھوس اور صریح حوالوں سے اثبات کیا ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم اور دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق مروی ہے۔ اس سلسلہ میں جناب قاضی صاحب فرماتے ہیں: پھر (ص ۱۱۶) پر ایک اعرابی کا قصہ نقل کیا الی قولہ اس پر موصوف نے بڑا زور لگایا کہ اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تائید حاصل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس سے اتفاق ہے۔ الی آخر ما قال! سو گزارش ہے کہ اگر یہ ہے تو علی الرأس والعین۔ لیکن یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو معمول بنایا اور اکثریت نے استسقاء کے لئے یہی طریقہ اختیار کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر بارش کے لئے دعا کی درخواست کریں۔ کلا وحاشا ہرگز ایسا نہیں۔ حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل مستمر اور طریق کار یہ تھا کہ جو (مشکوٰۃ ص ۱۳۲) بحوالہ بخاری لکھا ہے: ''عن انس ان عمر بن الخطاب کان اذا قحطوا (الحدیث)'' (حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں) موصوف کو چاہئے کہ لفظ: ''کان اذا قحطوا استسقی'' کو غور سے دیکھ لے کہ یہ استمرار

بنتا ہے یا نہیں۔ اب حیرانی ہے کہ موصوف اس قصہ اسے اغماض کیونکر گئے۔ شاید اس لئے کہ اس سے موصوف کے ایک اور نظریہ مبارکہ پر زد پڑتی ہے۔ اس لئے کہ اگر نبی ﷺ مدینہ منورہ روضۂ خضراء میں زندہ بحیات دنیویہ ہیں تو پھر عباس ﷛ کو لانے کی کیا ضرورت ہے۔ روضہ خضراء کے پاس کھڑے ہو کر کہہ دیں۔ ''اللّٰھم نتوسل بنبیّک فاسقنا''

بے خودی بے سبب نہیں حافظ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

(ملخصاً ص ۲۶ و ۲۷)

الجواب: جناب قاضی صاحب کی یہ عبارت اس لحاظ سے قابل داد اور باعث صد تحسین ہے کہ انہوں نے حضرت بلال بن الحارث المزنی ﷫ کا بسند صحیح یہ واقعہ علی الرأس والعین تسلیم کر لیا ہے جس کو خلیفۂ راشد حضرت عمر ﷛ اور دیگر حضرات صحابہ کرام ﷡ کی تائید اور تصدیق حاصل ہے اور اپنی جماعت کے بعض ضدی اور متعصب ساتھیوں کی کہ میں نہ مانوں کی رٹ سے گریز کیا ہے اور علماء کی یہی شان ہونی چاہئے کہ صحیح بات کو تسلیم کر لیں اور دوسرے لوگوں کی الدین النصیحۃ کے پیش نظر ان کی غلطیوں کی علمی اور تحقیقی لحاظ سے اصلاح کی کوشش کریں تا کہ دارین کی سعادت حاصل ہو لیکن تسلیم کے ساتھ ساتھ جو باتیں انہوں نے تحریر فرمائی ہیں وہ کافی حد تک قابل توجہ ہیں۔

اوّلاً: اس لئے کہ ہم نے یہ نہیں کہا کہ اس طریق کو ایسا معمول بنا لیا جائے کہ اس کے بغیر کسی اور طریق سے دعاء نہ کی جائے۔ ہم نے تو مؤلف ندائے حق کے اس باطل دعویٰ کی تردید کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بس اب ہم آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جتنی کتابوں میں (مثلاً نور الایضاح، فتح القدیر، فتاویٰ عالمگیری، رسائل الارکان لبحر العلوم، وفاء الوفاء، طحطاوی، لباب المناسک، المسلک المتقسط، کتاب الاذکار للنووی، الایضاح فی مناسک الحج لہ، شرح شفا ملا علی القاری، فتاویٰ رشیدیہ اور زبدۃ المناسک وغیرہ وغیرہ کتابیں جن میں یہ مسئلہ درج ہے اور ان کی عبارتیں ہم نے تسکین الصدور میں باحوالہ درج کر دی ہیں۔ صفدر)

یہ مسئلہ قبر پر حضور ﷺ سے دعاء استغفار، استشفاع کا جو معتبر کتب میں لکھا جا چکا ہے وہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے اور بس۔'' (ندائے حق ص ۳۱۱)

اور نیز لکھتے ہیں کہ اب اگر قبر کے پاس جا کر صلحاء صدیقین اور انبیاء کو پکارنا اور ان کا شفعائنا عند اللہ ہونا محقق اور ثابت ہوتا اور یہ اعتقاد شرک نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ استثناء فرما دیتے۔ (ندائے حق ص ۲۹۹)

گویا مؤلف ندائے حق کے باطل نظریہ سے یہ تمام مصنفین مشرک اور معلم شرک تھے اور ان تمام معتبر کتابوں میں باغیوں نے گھس کر ہیرا پھیری کر دی ہے۔ معاذ اللہ تعالیٰ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ علم تحقیق اور دیانت شاید اسی کا نام ہے۔

قارئین کرام! خود انصاف اور غور سے ملاحظہ کریں کہ جناب قاضی صاحب نے مؤلف ندائے حق اور اس غلط نظریہ میں ان کے حامیوں کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا اور نہ ان کو روکا ٹوکا ہے اور نہ انہیں کوئی نصیحت ہی فرمائی ہے کہ غلو سے باز آ جاؤ اور کوئی کتاب اور رسالہ ان کے خلاف نہیں لکھا۔ لیکن تسکین الصدور اور سماع الموتی میں واضح ٹھوس اور مدلل حوالوں کو رد کرنے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور ان کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں۔ کیا یہ قول کہ بے خودی بے سبب نہیں غالب ان پر چسپاں نہیں ہوتا۔

ثانیاً: بفضلہٖ تعالیٰ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث: ''انا نتوسل الیک'' کی مفصل باحوالہ بحث (تسکین الصدور ص ۴۱۲ تا ۴۱۷) میں کردی ہے جس کا کوئی جواب تا ہنوز ہمیں نہیں ملا۔ اس کتاب میں جناب قاضی صاحب اس بحث کو ملحوظ فرمالیں اور ہم نے اس سے قطعاً اغماض نہیں کیا۔ جیسا کہ قاضی صاحب کا ہم پر بے بنیاد الزام ہے اور ہم آنحضرت ﷺ کی جس حیات کے قائل ہیں جس کی بحث پہلے گزر چکی ہے، اس پر اس حدیث سے کوئی زد نہیں پڑتی اور نہ ہمارا کوئی نظریہ باطل ہے اور نہ باطل ہوتا ہے۔ یہ جناب قاضی صاحب کا صرف شیخ چلی کا پلاؤ ہے۔

ثالثاً: جناب قاضی صاحب نے میزان الصرف وغیرہ میں یہ قاعدہ پڑھا ہے کہ حرف کان جب ماضی پر داخل ہو تو ماضی استمراری بن جاتی ہے۔ اس سے آپ یہ سمجھے کہ ہمیشہ لفظ کان استمرار ہی کا فائدہ دیتا ہے اور یہ قاعدہ کلیہ بن جاتا ہے۔ حالانکہ جناب قاضی صاحب کو بھی بخوبی معلوم ہے کہ جس قاعدہ کو کلیہ کہا جاتا ہے وہ بھی اکثر یہی ہوتا ہے۔ قاعدہ کلیہ صرف یہ ہے: ''ان لا کلیۃ''

امام نووی رحمہ اللہ ایک مقام پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ولا تغتر بقولها کان یصلّی فان المختار الذی علیه الاکثرون والمحققون من الاصولیین ان لفظة کان لایلزم منها الدوام ولا التکرار وانما هی فعل ماض یدلّ علٰی وقوعه مرة فان دلّ دلیل علی التکرار عمل به الّا فلا تقتضیه بوضعهما'' کہ تم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کان یصلّی سے استمرار کا دھوکا نہ کھانا اس لئے کہ جو بات اکثر اور محقق اصولیوں کے نزدیک مختار ہے وہ یہ ہے کہ حرف کان سے دوام اور تکرار لازم نہیں آتا۔ یہ تو فعل ماضی ہے صرف ایک دفعہ کے وقوع پر دلالت کرتا ہے۔ اگر کوئی (خارجی) دلیل تکرار پر دلالت کرے تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ لفظ کان اپنی وضع کے لحاظ سے تکرار و دوام کو نہیں چاہتا۔ (نووی شرح مسلم ج۱ ص ۲۵۴)

محترم جناب قاضی صاحب سے گزارش ہے کہ وہ اس قاعدہ پر بھی ٹھنڈے دل سے غور فرمالیں۔ اس لحاظ سے اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ قحط سالی میں ایک دفعہ بھی اس حدیث پر عمل ہوا ہو تو کافی ہے۔ استمرار لازم نہیں آتا اور اس کے ساتھ حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو بھی جو خلیفہ راشد اور دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مصدقہ ہے اور صحیح سند سے ثابت ہے، ملحوظ رکھیں۔ محض اعرابی کا قصہ کہہ کر نظر انداز نہ کردیں۔ کیونکہ جمہور امت کا حج کے موقع پر استشفاع عند القبر پر اتفاق اور تعامل رہا ہے اور اب بھی ہے اور دلائل واضحہ سے ثابت ہے کہ مجموعی لحاظ سے آنحضرت ﷺ کی امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوئی اور نہ ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام مسلمانوں کو قرآن و سنت اور سلف صالحین کے دامن سے وابستہ رکھے اور تشتت و افتراق اور تحزب و تعصب سے محفوظ رکھے اور اعجاب کل ذی رأی برأیہ اور ذاتی انا سے بالاتر رکھے اور بزرگوں کے ادب و احترام کا ذوق و شوق مزید بڑھائے اور انفرادیت سے بچائے۔ آمین ثم آمین!

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علٰی رسولہ خیر خلقہ وعلٰی الٰہ واصحابہ وازواجہ وجمیع متبعیہ الٰی یوم الدین آمین یارب العالمین!

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز

خطیب جامع مسجد گکھڑ وصدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۹ رجب ۱۴۰۳ھ / ۲۳ اپریل ۱۹۸۳ء